ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

# ندائے اعتدال

جولائی ۲۰۱۵ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

# فہرست مضامین


| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | پیام رمضان | ایک غور طلب بات | مولانا عبدالماجد دریابادیؒ | |
| ۲۔ | اداریہ | برج کورس کے ڈائریکٹر اور یہودی مفادات | مدیر | ۳ |
| ۳۔ | گوشۂ سیرت | کمیونزم سے بہتر اور برتر ہے اسلام (قسط-۱۷) | تحریر: مسٹر اڈیار، مترجم: ایم، اے جمیل احمد | ۸ |
| ۴۔ | پیام عید | عیدالفطر کا پیغام اور ہم | مولانا ندیم احمد انصاری | ۱۱ |
| ۵۔ | فتنہ انکار حدیث | حدیث کی اہمیت وحیثیت | علامہ سید سلیمان ندوی | ۱۴ |
| ۶۔ | // // | فتنۂ انکار حدیث اور اس کے اسباب | مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی | ۱۷ |
| ۷۔ | صدائے احتجاج | مصر میں مظالم اور مرسی کی سزائے موت..... | مولانا سید سلمان حسینی ندوی | ۲۲ |
| ۸۔ | // // | مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے | پروفیسر محسن عثمانی ندوی | ۲۸ |
| ۹۔ | فریضۂ زکوۃ | زکوۃ کیسے ادا کریں | مفتی محمد تقی عثمانی (پاکستان) | ۳۲ |
| ۱۰۔ | زکوۃ | صدقۂ فطر-مسائل اور اسرار وحکم | مفتی محمد اجمل ندوی | ۳۹ |
| ۱۱۔ | فقہی مباحث | اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ اور حکم شریعت (آخری قسط) | محمد قمر الزماں ندوی | ۴۱ |
| ۱۲۔ | لمحۂ فکریہ | سارے جہاں کی فکر اپنے جہاں سے بے خبر | محمد الیاس ندوی بھٹکلی | ۵۲ |
| ۱۳۔ | ذکر رفتگاں | پروفیسر رفیع احمد علویؒ | پروفیسر سید احتشام احمد ندوی | ۶۰ |
| ۱۴۔ | تعارف وتبصرہ | بچوں کی تربیت کیسے کریں؟ | محمد طارق رامپوری ندوی | ۶۲ |
| ۱۵۔ | آخری صفحہ | جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں | م۔ق۔ن | ۶۴ |


❁❁❁

**نوٹ:** مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

# برج کورس کے ڈائریکٹر اور یہودی مفادات

مسلم یونیورسٹی میں برج کورس فارغین مدارس کو عصری تعلیم کے مختلف شعبوں میں داخلہ دینے کے لئے شروع کیا گیا تھا، لیکن نتائج یہ بتاتے ہیں کہ ڈائریکٹر صاحب نے برج کورس کو Inter-intera faith کا مرکز بنا دیا ہے، اب سے دو سال پہلے تک وہ مفقود الخبر تھے۔ مجہول النظر تو خیر اب بھی ہیں ___ برج کورس سے اختلاف کسی کو نہ تھا، نہ ہے ___ لیکن کمال عیاری کی دلیل یہ ہے کہ جب ڈائریکٹر کے افکار و خیالات کی بات ہوتی ہے تو اسے برج کورس کی مخالفت قرار دیا جاتا ہے ___ موصوف ان سارے کیمیکل کا استعمال کر رہے ہیں جو آج کل پھلوں کا حسن نکھارنے۔۔ جلدی قابل فروخت بنانے وغیرہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ڈائریکٹر برج کورس ملحدانہ افکار و نظریات کے حامل ہیں۔ وہ پریشان فکری کا شکار ہیں ___ ان کی تحریریں مادی ہیجان کی ماری ہوئی ہیں ___ وہ کبھی اہل کتاب کو مسلمان سمجھتے ہیں ___ تو کبھی ان سے اتحاد کے منصوبے تیار کرتے ہیں ___ اس وقت جو موضوع ہم چھیڑ رہے ہیں اس میں پہلے تو وہ یہود و نصاریٰ سے بڑے بپھرے نظر آتے ہیں اور پھر ان پر ایسے مہربان ہوتے ہیں کہ ان کے مفاد کی خاطر واقعۂ معراج کا انکار کرتے ہیں، تحویل قبلہ کا انکار کرتے ہیں اور مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی کو قرار دے دیتے ہیں اور بالآخر اہل کتاب پر کون کون سی کرم فرمائی کا مطالبہ کرتے ہیں یہ اس مضمون کے آخری پیراگراف میں ملاحظہ کیجئے گا ___ فی الحال یہ سنیے۔

انکار حدیث ان کا طرۂ امتیاز ہے ___ سلف صالحین کا اجماع یا ارباب حل وعقد کی رائے کو وہ ''دھونس'' قرار دیتے ہیں ___ یہ بھی ان کا امتیازی وصف ہے کہ اب تک کے منکرین حدیث کی فہرست میں وہ سب سے شاطر ہیں، ان کے یہاں وہ سارے انکار موجود ہیں جو مستشرقین اور ان سے متاثرین کی تحریروں میں ہیں لیکن درحقیقت یہ ان سب سے کوسوں آگے نکل گئے ہیں ___ منکرین حدیث کو دیے گئے جوابات کا بغور مطالعہ کیا ہے ___ اور پھر ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے ___ کمال چالاکی سے اپنی بات رکھتے ہیں ___ ایسا بار بار محسوس ہوتا ہے کہ وہ شیعیت سے متاثر ہیں اور یہودی ایجنسیوں کے لئے کام کرتے ہیں ___ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاہکار کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت'' کے دیباچہ میں انکار حدیث کے اسباب کچھ یوں بیان کیا ہے:

(۱) حدیث کو مشتبہ ثابت کرنے کے لیے مغربی مستشرقین نے جتنے حربے استعمال کیے ہیں ان پر ایمان لانا اور اپنی طرف سے حواشی کا اضافہ کر کے انہیں عام مسلمانوں میں پھیلا دینا تا کہ ناواقف لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ رسول

اللہ ﷻ سے قرآن کے سوا کوئی چیز بھی امت کو قابلِ اعتماد ذرائع سے نہیں ملی ہے۔

(۲) احادیث کے مجموعوں کو عیب چینی کی غرض سے کھنگالنا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے کبھی قرآن کو کھنگالا۔ اور ایسی چیزیں نکال کر، بلکہ بنا بنا کر عوام کے سامنے پیش کرنا جن سے یہ تاثر دیا جاسکے کہ حدیث کی کتابیں نہایت شرمناک یا مضحکہ خیز مواد سے لبریز ہیں، پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ اپیل کرنا کہ اسلام کو رسوائی سے بچانا ہے تو اس سارے دفتر بے معنی کو غرق کردو۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت کو محض ایک ڈاکیے کا منصب قرار دینا جس کا کام بس اس قدر تھا کہ لوگوں کو قرآن پہنچادے۔

(۴) صرف قرآن کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دینا اور سنت رسول کو اسلام کے قانونی نظام سے خارج کردینا۔

عجیب بات یہ ہے کہ راشد شاذ کی تحریروں سے یہ اسباب جھلکتے ہی نہیں بلکہ چھلکتے نظر آتے ہیں ___ وہ مادیت کے دلدادہ اور روحانیت سے بیر رکھتے ہیں ___ شرح رسول کو چھوڑ کر قرآن میں غور وتدبر کے نام پر دندناتے پھرتے ہیں، ظاہر ہے کہ عقل کے بے محابہ استعمال پر حدیث ہی تو لگام لگاتی ہے، اسے راہ سے ہٹادیا جائے تو پھر جو چاہے بے نکیل بن جائے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ امت نے نہ کبھی اس امر کو قبول کیا ہے اور نہ کرپائے گی، کوئی نئی سے نئی ٹکنیک بھی اس کے ذہن سے اسلام کو نہیں کھرچ سکتی، ''متحدہ اسلام کے منشور'' اور ''مستقبل کی بازیافت'' ''مسلم ذہن کی تشکیل جدید'' جیسی خوشنما اور پرفریب تعبیرات کے ذریعہ کچھ سادہ لوح لوگوں کی جہنم کا انتظام تو کیا جاسکتا ہے لیکن امت کی اجتماعیت کو جھانسہ نہیں دیا جاسکتا ___ راشد شاذ کو مسلم یونیورسٹی کے بے بصیرت شیخ الجامعہ نے گمنامی کے غار سے نکال کر مسلم یونیورسٹی کا پلیٹ فارم دے دیا ہے، اور ہاتھ صاف کرنے کے لئے مدرسوں کے ایسے طلبہ کا انتظام کردیا جو مدرسہ میں اپنے وجود کو بے کار سمجھتے تھے۔ پھر کیا ہوا ___ اب دیکھیے ایک ملحد ومنکر حدیث فارغین مدارس کے بقول مفکر اسلام بن بیٹھا ___ علماء امت اور دانشوران ملت نے وقت رہتے ہوئے اگر کان نہ دھرا اور یہ شخص برج کورس کا ڈائریکٹر رہا ___ تو اور کچھ نہ ہوگا ___ مگر اتنا ضرور ہوگا ___ کہ امت میں تشکیکی مزاج کی تشکیل ہوگی ___ ایک نیا فکری انتشار برپا ہوگا ___ تشکیک وانتشار کی صہیونی تحریک پھر زندہ ہوگی جسے برپا کر کے مستشرقین رخصت ہوگئے۔

مجھے قطعی یقین تو نہیں مگر غالب گمان ہے کہ یہ شخص شیعیت کا کارندہ اور صہیونیت کے مفادات کا بندہ ہے، بلکہ ممکن ہے کہ اس تثلیث کا نمائندہ ہو جس کے قبضہ میں گزشتہ سوا سو سال سے عالم اسلام ہے۔

اس مثلث کا دماغ یہودی ہیں، کارندے اہل ایران ہیں اور اسپانسر مسیحیت کے علمبردار ہیں ___ میرے اس گمان کی دلیل دیکھیے کہ شاذ صاحب ''ادراک زوال امت'' میں امت کے زوال کے اسباب کی تحقیق وادراک میں قضیہ فلسطین کو بھی کھینچ لائے اور پھر اس سے امت کو نجات دلانے کے لئے تفسیر قرآن کا تماشہ بنادیا اور حدیث تو ان کے یہاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی جو انہیں ایسا کرنے سے روکتی۔

قضیہ فلسطین سے مسلمانوں کا قلبی اور جذباتی لگاؤ محض اس لیے ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے ___ معراج میں سرور کونین ﷺ نے وہاں انبیاء کی امامت کی ___ علماء امت نے تحویل قبلہ کے سلسلہ کی روایات کو منکرین حدیث کے سامنے حجیت حدیث کی ایک مضبوط دلیل کے طور پر پیش کیا، ظاہر ہے کہ تحویل قبلہ کی تفاصیل اور مسجد اقصی کے قبلہ اولی ہونے کی تعیین صرف احادیث سے ہوتی ہے ___ شاطرانہ ذہنیت نے ایک تیر سے دو شکار کیا ___ ایک طرف تو تحویل قبلہ کا انکار کیا ___ کیوں کہ مقصود انکار حدیث تھا، تو اس انکار کے لیے لازمی تھا کہ تحویل قبلہ کا سرے سے انکار کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ حجیت حدیث پر تیشہ انتہائی لطافت کے ساتھ چلایا ___ لیکن لطافت درحقیقت جہالت سے عبارت ہے ___ تجدد کے دیوانے ۔۔۔ علم اور اس کے اصولوں سے نابلد ایسے ملحدانہ افکار کو نیا سوچ، نیا زاویہ نگاہ، نئی فکر اور نیا انداز تحقیق سمجھتے ہیں ___ جو ذرا محتاط ہوتے ہیں وہ اسے محض تفرد سمجھتے ہیں ___ ذرا آگے بڑھیے ___ پہلی بنیاد ڈھا دی، اب دوسرا کانٹا واقعہ معراج کا تھا ___ کیوں کہ قرآن نے بڑی صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام إلی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله، اس عقل پرست مجدد نے واقعہ معراج کا انکار کیا، اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسجد اقصی سے مراد مسجد نبوی کو لیا اور بارکنا حوله کی تفسیر بھی مدینہ منورہ سے کر ڈالی، (اس پوری بحث کو ادراک زوال امت (Pdf ایڈیشن) ج ۱ ص ۱۵۷ تا ۱۶۰ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے) اس بعید از عقل و نقل توجیہ کا مقصد سوائے کسی منصوبہ بند فتنہ کے اور کیا ہو سکتا ہے، جبکہ آیت میں خود واقعہ معراج اور جسمانی معراج کے ساتھ مسجد اقصی سے مسجد اقصی مراد ہونے کے دلائل موجود ہیں، سبحٰن سے بات تب ہی شروع کی جاتی ہے جب کسی عظیم و مہتم بالشان بات کا تذکرہ مقصود ہو، اسری بعبده از خود دلیل ہے اہل عقل کے لئے، اور مسجد اقصی کے الفاظ تو صریح ہیں، اس کا مدلول تو دشمنان اسلام بھی بیت المقدس کو ہی سمجھتے ہیں لیکن ___ کون سے دشمن ۔۔۔ وہ جو کھلے ہوئے ہیں ___ یہ آستین کے سانپ تو اب پورے تاریخی قضیہ کو یکسر مسترد کرنے پر اتر آئے ___ مسجد اقصی کی عمارت کو منہدم کر کے اسکے ملبہ پر اپنے خوابوں کا محل تعمیر کرنے لگے یریدون لیطفؤا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون،

امام ابن کثیر نے اس مقام پر واقعہ معراج کی تمام روایات نقل کی ہیں، اور ایک ایک روایت کے کئی کئی طرق نقل کیے ہیں، پھر آخر میں حافظ ابو خطاب عمر بن دحیۃ کا یہ قول ان کی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

فائده، قال الحافظ ابوالخطاب عمر بن دحية فی کتابه (التنوير فی مولد السراج المنير) وقد ذکر حديث الإسراء من طريق أنس وتکلم عليه فأجاد وأفاد، ثم قال: وقد تواترت الروايات فی حديث الإسراء عن عمر بن الخطاب وعلی وابن مسعود وأبی ذر ومالك بن صعصعة وأبی هريرة وأبی سعيد وابن عباس، وشداد بن أوس وأبی بن کعب وعبدالرحمن بن قرط وأبی حبة وأبی ليلی الانصاريين وعبدالله بن عمرو وجابر و حذيفة وبريدة، وأبی ايوب وابی امامة وسمرة بن جندب

وأبی الحمراء، وصهيب الرومی وام هانی، وعائشة وأسماء ابنتی أبی بكر الصديق رضی الله عنهم أجمعين، منهم من ساقه بطوله، ومنهم من اختصره على ما وقع فی المسانيد، وإن لم تكن رواية بعضهم على شرط الصحة فحديث الإسراء أجمع عليه المسلمون، وأعرض عنه الزنادقة والملحدون (يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون)

اس عبارت کو پڑھ کر قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس شخص کے لیے علمائے امت بشمول متقدمین ومتاخرین پہلے ہی الحاد وزندقہ ثابت کر چکے ہیں، ہم کو اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سلسلہ کی آخری بات یہ ہے کہ اس صدی کے اس ''مجدد اعظم'' نے تحویل قبلہ اور واقعہ معراج کے ثبوت کو اہل یہود کے ذہنی وفکری اور تہذیبی پس منظر میں تاویل قرآنی کا ثمرہ قرار دیا ہے، اس کے نزدیک اس طرح کی روایات یہودی مآخذ اور ان کی اضافی معلومات سے استفادہ کا نتیجہ ہیں، اس طرح اس نے جہاں حجیت حدیث کو بیک قلم مسترد کر دیا ہے اور اسکی آئینی حیثیت پر سینکڑوں سوالات کھڑے کر دیے ہیں وہیں دوسری طرف اس نے قضیہ فلسطین کو مسلمانوں کے دلوں سے کھرچ کر نکال دینے کی بدترین وناکام کوشش کی ہے، جن وجوہ کے سبب مسجد اقصی سے ہمارا تعلق ہے اگر ان اسباب ووجوہات کا ہی انکار کر دیا جائے اور سرے سے انہیں کالعدم قرار دے دیا جائے تو پھر تعلق کیسے باقی رہے گا، اس پورے قضیہ سے قوم کو دستبردار کرنے کی کوشش میں قرآن وحدیث کو بھی زد پر لے لیا، اس پوری بحث میں انتہائی چالاکی کے ساتھ اس شخص نے مسجد اقصی کو ہیکل سلیمانی تسلیم کیا ہے۔ اور بین السطور ثابت بھی کیا ہے۔

ذرا یہ مفکرانہ اور بدبختانہ مشورہ دیکھیے ___ اور صدائے احتجاج بلند کیجئے ایسے شخص کے خلاف جو قبلۂ اولی سے دست بردار کر دینا چاہتا ہو ___ جو متفق علیہ مسائل کا منکر ہو ___ جو اس طرح حضرت عمرؓ اور پھر صلاح الدین ایوبی کے جانثاروں اور تادم تحریر مجاہدین کے ذریعہ مسجد اقصی کے نام پر بہائے جانے والے خون کی قیمت کا چند ٹکوں میں سودا کر کے انہیں بے قیمت کر دینا چاہتا ہے ___ بتایئے وائس چانسلر کو کہ آپ برج کورس کے نام پر ''اتحاد امت'' اور ''اتحاد مذاہب'' کا جو پرفریب دھوکہ دے کر امت کو اس کے مراکز ومراجع سے کاٹ دینے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، اگر اس کے خلاف ملک گیر تحریک چلی تو وائس چانسلری خطرے میں پڑ جائے گی، علی گڑھ کی سرزمین اس سے قبل بہت سے مخلص ترین شیوخ الجامعہ کی بھی پذیرائی کر چکی ہے ___ ان سے مطالبہ کیجئے کہ وہ برج کورس کے ذریعہ مدارس کی تحقیر وتذلیل جو اس کے میگزین میں کی گئی ہے ___ بند کریں اور ایسے شخص کو اس کے عہدے سے برخاست کریں جو اغیار کا ایجنٹ اور ایک ''نئے اسلام'' کا داعی ہے، قضیہ فلسطین کے ضمن میں راشد شاذ کا یہ مطالبہ پڑھیں اور اس کے کے عزائم کا اندازہ کریں اور پھر لائحہ عمل تیار کریں۔ وہ لکھتا ہے:

''ہماری طرف سے اہل یہود کو یہ پیغام جانا چاہیے کہ ہم کوئی اور نہیں براہیمی سلسلے کے آخری امین ہیں۔ اگر تمہاری توقعات کے مطابق آنے والے دنوں میں مسیح کا واقعی ظہور ہو جاتا ہے تو ہم حضرت مسیح پر بیت المقدس کا سنہری دروازہ بند کرنے کی جسارت کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا اہل یہود کے حق پرست افراد ہماری صدیوں پر محیط فیاضانہ میزبانی سے انکار کر سکتے ہیں؟ کیا وہ ہم نہیں

تھے کہ جب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی قیادت میں فلسطین میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے تو Mount Morya کی عظمت کی بحالی کی خاطر اسے دوبارہ خدائے واحد کے سجدوں سے آباد کیا تھا تب ہمیں یہ گوارہ نہ ہوا کہ داؤد سلیمان کی باقیات کو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا رہنے دیں۔ وہ ہم ہی تھے جس نے ۱۳۵۹ء میں دیوارِ گریہ کی نشان دہی کی تھی اور یہ کہہ کر اسے یہود کے حوالے کیا تھا کہ شاید یہ تمہارے معبد کی باقیات میں ہو۔ خدائے واحد کے آگے دیوارِ گریہ کے سایے میں تمہاری عبادتوں کو ہم تب بھی فال نیک تصور کرتے تھے اور آج بھی جب اہلِ یہود اور مسلمانوں کے مابین نفرتوں کی فصیل کھڑی ہوگئی ہے ہم تمہاری عبادتوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنے والے دنوں میں اگر مسیح کا واقعی ظہور ہوگیا تو ہم ان کے لیے دل ونگاہ بچھانا اپنی خوش بختی نہ سمجھیں گے۔ گو کہ آنے والا آچکا اب وہ کبھی نہ آئے گا۔ لیکن تم ماضی کے طلسم میں گرفتار ایک خیالی دنیا کی امید لیے بیٹھے ہو۔

دوسری طرف کچھ یہی حال عیسائی روایت پرستوں کا ہے جو مسیح کی آمد ثانی کے لئے تمہارے ہاتھوں ملحمۂ کبریٰ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مستقبل کے سلسلے میں یہ موہوم اندیشے مسلمانوں میں نہیں پائے جاتے۔ ہمارے یہاں بھی بعض حلقے مسیح کی آمد ثانی اور بعض حلقے امام غائب کے ظہور کے منتظر ہیں بلکہ بعض روایتوں کے مطابق تو انہوں نے دمشق میں سفید گنبد کے اوپر فرشتوں کے جلو میں بادلوں کے سایے میں مسیح کے نزول کی تفصیلات بھی مرتب کر رکھی ہیں۔ تم ان باتوں کو کج فکری پر محمول کرو دیا اسے حقیقت جانو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کشت وخون کے اس سلسلے کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے جب تک کہ مستقل کا مطلع پوری طرح صاف نہیں ہوجاتا کہ اگر مسیح کا نزول واقعتاً دوبارہ ہوتا ہے تو تم ہمیں ان کی قیادت میں اپنے ساتھ شریک وسہیم پاؤ گے۔ قرآن کا موقف ہے کہ "فی قوم موسیٰ امة یهدون بالحق" ہم پر لازم ہے کہ ہم قومِ موسیٰ کے خدا ترس نفوس کو بلا پس وپیش ایک بے تکلف مباحثے کی دعوت دیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ یا (اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم)

(اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید مسئلہ فلسطین ص ۹۱ تا ۹۷ Pdf ایڈیشن)

☆☆☆

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

## ''اسلام جس سے مجھے عشق ہے''

# کمیونزم سے بہتر اور برتر ہے اسلام

تحریر: مسٹر اڈیار.....مترجم: ایم، اے، جمیل

کمیونسٹ ممالک میں صنعتوں ہی کو قومیایا جاتا ہے۔ نفع کی تقسیم کا جو بھی انتظام ہوتا ہے انہی میں ہوتا ہے۔ رہی وہ جائداد جو افراد کے قبضہ میں ہوتی ہے اس سے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں ہے اور نہ عملا اس کا کوئی نظم رکھا گیا ہے۔ جبکہ اسلام افراد کی آمدنی کے قدر زائد کو بھی دوسروں پر خرچ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قدرِ زائد ہی کے ایک حصہ کو بھلائی کے لیے نکالنے اور خرچ کرنے کو زکوۃ سے موسوم کرتا ہے۔ عربی زبان میں زکوۃ کے معنی ہیں تزکیہ اور پاکیزگی۔ اپنی آمدنی میں سے ایک حصہ کو نکالنا زکوۃ ہے گویا زکوۃ دے کر آدمی اپنے مال کو پاکیزگی بخشتا ہے۔ ایسا نہ کیا جائے تو سارے کا سارا مال ناپاک ہوجاتا ہے۔ ایسی اعلیٰ تعلیم دنیا میں صرف اسلام نے دی ہے۔

یہاں کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ اپنے مال میں سے بھلائی کے لیے خرچ کرنے کی تعلیم تو مذہب کی ایک سفارش ہے۔ کوئی مالدار اگر دھوکا دینا چاہے تو آخر دھوکا ہی سے اسے باز کیسے رکھا جائے گا؟

اس اعتراض کا جواب ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ منکرینِ زکوۃ کے خلاف خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تلوار اٹھائی تھی۔ حالانکہ یہ زکوۃ کا انکار کرنے والے بظاہر مسلمان اور اسلام کے پیرو تھے۔ دین اسلام کو ماننے والوں اور نبی کریمؐ پر ایمان رکھنے والوں، نماز کے پابند لوگوں کے خلاف یہ تلوار اٹھی تھی۔ جس جرم کے یہ مرتکب ہوئے تھے، وہ ایک سنگین جرم تھا۔ اللہ پر ایمان کے بعد جس پہلو پر اسلام بہت زیادہ زور دیتا ہے وہ ہے زکوۃ۔ یعنی اپنے مال سے ایک حصہ نکال کر اپنے کمزور بھائیوں کی مدد کرنا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ افراد اپنی ذاتی آمدنی اور اپنے ذاتی سرمایہ میں سے دوسروں پر خرچ کریں اس کی تعلیم کمیونزم نہیں دیتا۔ لیکن اسلام ہے کہ اس کی سخت تاکید کرتا ہے کہ اس طرح کا انفاق لازما کیا جائے۔ اور اگر ایسا انفاق کوئی نہ کرے، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اسلام کی تلوار اس کے خلاف اٹھ جائے گی۔

اسلام کمیونزم سے برتر اور بہتر ہے۔

عام طور پر سرمایہ کار کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس کا سرمایہ اس کے آرام وراحت کے لیے ہے۔ اسے دوسروں پر خرچ کرنا اپنے لیے تنگ دستی کی دعوت دینا ہے، یہی اندیشہ عام طور سے لوگوں کو ستاتا ہے۔

اسلام سب سے پہلے اس اندیشہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ قرآن علی الاعلان کہتا ہے کہ خرچ کرنے سے تنگی نہیں فراخی آتی ہے:

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل (بخل) اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر اللہ تمہیں اپنی مغفرت و فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے'' (بقرہ ۲۶۸)

بخل کیا ہے؟ اپنی ضروریات پر، اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر اور دیگر لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کے بجائے پیسہ کو جوڑ جوڑ کر رکھتے رہنا۔

ٹمل فلمی دنیا میں مشہور گلوکار تھے۔ وہ انتہائی بخیل تھے۔ ان کے بیٹے کے پیر میں زخم ہوا تو اس کے علاج پر خرچ کرنے سے بھی وہ کتراتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا لڑکا فوت ہوگیا۔ یہ ہے بخل کا نتیجہ۔ اس طرح کی کنجوسی اور تنگی کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے۔

اسلام نے صرف خرچ کرنے کی تعلیم ہی نہیں دی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خرچ کے آداب بھی سکھائے ہیں، بعض لوگ خرچ تو کرتے ہیں مگر احسان جتانے کے لیے، یا ان کا مقصد شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے غلط محرکات کو اسلام ناجائز قرار دیتا اور انہیں ختم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انفاق ایک دینی فریضہ ہے اور نماز کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا تمہارے انفاق کا کوئی اور مقصد نہیں ہونا چاہیے، یہی قرآن کی تاکید ہے۔

میں نے بعض شہروں میں دیکھا ہے کہ کسی صاحب نے ایک ادارہ کو ٹیوب لائٹ بطور عطیہ دی اور اس پر دینے والے کا نام اتنے بھونڈے طریقے سے لکھا یا کہ روشنی باہر نہ آسکی۔ اسلام کہتا ہے کہ اس طرح کا انفاق اور اس طرح کا دینا نہ صرف غلط ہے بلکہ ساری نیکیوں کو برباد کردینے والا ہے۔ بعض لوگ دوسروں کی مالی یا دیگر قسم کی مدد تو کرتے ہیں مگر اپنے احسان کا دباؤ مدد لینے والے پر اتنا ڈالتے ہیں کہ اس کا دل مجروح ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی ساری حرکات کو اسلام ممنوع قرار دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

''ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے تکلیف دہ بات ہو۔'' (بقرہ ۲۶۳)

بنو بابھاوے جب بھودان تحریک چلا رہے تھے تو کچھ لوگ اچھی زمین دان کرنے والے بھی تھے مگر بہت سے لوگ بنجر اور پتھریلی زمین ہی دان کر رہے تھے۔

اپنے گھر کے پھٹے پرانے کپڑے، باسی کھانا ٹوٹے پھوٹے سامان دوسروں کو دینے والے فیاض بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ پھٹے نوٹ اور کھوٹے سکے خیرات کرنے والے دنیا میں مل جائیں گے۔ لیکن اسلام اپنے پاس کی بہترین چیزوں کو خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اپنی پسند کے لباس، اپنی مرغوب غذائیں، اپنی من چاہی دولت ان سب کو اللہ راہ میں خرچ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ آپ کی کمائی میں جو بہترین چیزیں ہیں انہیں آپ راہِ خدا میں خرچ کریں یہ ہے اسلام کی تعلیم۔ قرآن میں ہے:

''اے لوگوں! جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو'' (بقرہ ۲۶۷)

آپ دوسروں کو کھانا کپڑا یا مالی مدد جو بھی دیتے ہیں، اسلام اس کو چھپا کر دینے کو بہتر قرار دیتا ہے۔ اگر چہ وقت ضرورت اعلانیہ بھی مدد کی جاسکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

''اگر تم اپنے صدقات ظاہر کرکے دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن چھپا کر حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے'' (بقرہ ۲۷۱)

انفاق کے سلسلہ میں ایک صورت حال یہ بھی ہے کہ ایک فضول خرچ اور شرابی آپ کے پاس مدد کے لیے آتا ہے، کیا آپ اس کی مدد کریں گے؟ اگر مدد کریں گے تو یہ مدد کس نوعیت

کی ہوگی؟ اسلام نے ان سوالوں کا بھی جواب دیا ہے، غلط کار اور کوتاہ فہم کے ہاتھ میں رقم نہ دی جائے، یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ تاہم ان کے کھانے کپڑے کا انتظام کیا جائے۔ قرآن میں ہے:

''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایات کرو۔'' (۴:۵)

ان کی بنیادی ضروریات یعنی کھانے کپڑے کی فکر کرنے کے بعد اسلام اس سلسلہ میں جو ہدایات دیتا ہے، آیئے اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں:

۱۔ تمہارے اور تمہارے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے بچ رہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

۲۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ نہ کرو اور نہ بخل سے کام لو۔ تمہاری روش اعتدال کی ہو۔

۳۔ ایسا نہ کرو کہ خرچ سے اپنا ہاتھ بالکل ہی روک دو اور نہ ہاتھ کو اتنا کھلا رکھو کہ خود مدد کے مستحق ہو جاؤ۔

۴۔ تمہارے اپنے غریب رشتہ دار محتاج، فقراء یتیم اور مسافر یہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں۔

اپنے مال کی زکوۃ دینی مسلمان پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی سے غافل رہنے والوں کے لیے سخت وعید ہے، ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک عورت کے پاس سونے کے کنگن دیکھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تم اس کی زکوۃ دیتی ہو؟ خاتون نے کہا، نہیں تو نبیؐ نے کہا کہ آخرت میں تمہیں آگ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ (خاتون نے وہ کنگن خیرات کر دیے)

زکوہ کی رقم کن لوگوں پر خرچ کی جاسکتی ہے قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ غریبوں، محتاجوں، قرض داروں، یتیموں اور مسافروں کی مدد کے علاوہ زکوۃ کی رقم تالیف قلب کے لیے بھی خرچ کی جاسکتی ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے بھی زکوۃ کے مد سے خرچ کر سکتے ہیں، اسی طرح قیدیوں سے آزادی دلانے کے لیے زکوۃ کا روپیہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ زکوۃ کی وصولی وغیرہ پر مامور ہوں گے ان کا معاوضہ بھی زکوۃ کے مد سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ مصارفِ زکوۃ میں سے ایک فی سبیل اللہ بھی ہے۔ فی سبیل اللہ اپنے معنی ومفہوم کے لحاظ سے بہت جامع اصطلاح ہے، بھلائی کے سارے کام فی سبیل اللہ کے تحت آتے ہیں بالخصوص دین کی تبلیغ واشاعت اور اسے سربلند کرنے کی جدو جہد وغیرہ فی سبیل اللہ ہی میں داخل ہیں۔

ماں باپ اور اولاد وغیرہ کی کفالت آدمی کے ذمہ ہوتی ہے ان پر زکوۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی۔ مال کا یہ حصہ تو دوسروں کے لیے ہی نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب اسلامی تعلیمات کے ایک اور پہلو کو لیجیے حتی الامکان سوال کرنے اور مانگنے سے بچنے کی اسلام نے تاکید کی ہے، آدمی کو کوشش اس بات کی کرنی چاہیے کہ وہ دینے والا بنے نہ کہ لینے والا۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ آدمی لکڑی کاٹے اور اس سے اپنا گزارہ کرے، یہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے۔

ایک بار ایک بدو کو حضورؐ نے بلایا اور اس کے ہاتھوں کو چوم لیا، اس کے ہاتھ پر محنت ومشقت کے نشان تھے۔ وہ اپنی گزر اوقات کے لیے محنت مزدوری کرتا تھا اس لیے خوش ہو کر آپؐ نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا تھا۔

ایک طرف اسلام نے سوال کرنے اور مانگنے سے روکا ہے تو دوسری طرف خوش دلی کے ساتھ دوسروں پر اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم میں حد درجہ حسن واعتدال پایا جاتا ہے۔ ☆☆☆

پیام عید

# عیدالفطر کا پیغام اور ہم

مولانا ندیم احمد انصاری
(ڈائیریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا)

یقیناً عید کا دن خوشیوں اور مسرّتوں کا دن ہے، جس میں لوگ نئیاور عمدہ لباس زیبِ تن کرتے اور خوشبوئیں لگاتے ہیں، جس میں بڑے چھوٹے، جوان بوڑھے، مرد اور عورتیں، سب کا چہرا خوشیوں سے کِھلا رہتا ہیاور اس دن مسلمان ایک دوسرے کومحبتوں کے ساتھ خوشیوں کی سوغات پیش کرتے ہیں لیکن سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا واقعی عید بس انھیں چند باتوں کے مجموعے کا نام ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اسلام تو غمی ہو یا خوشی، ہر موقع پر اپنے ماننے والوں کو ایک پیغام دیتا ہے، ہدایت کا ایسا نور دیتا ہے جس سے گمراہ راہ پا جاتے ہیں۔ آیئے ہم غور کریں کہ عید کی خوشیاں ہماری زندگی میں کیا پیغام لے کر آتی ہے اور ہم اس پیغام سے کس حد تک واقف ہیں اور ان پر کس حد تک عمل پیرا۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ مسلمانوں کو خوشی اور مسرت کے لمحات میں بھی اللہ اور اس کے احکامات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، اسی لیے سال بھر میں سب سے زیادہ خوشی کے موقع یعنی عید پر بھی اسلام نے رقص وسرور، نغمہ و رباب، مستی وشراب، پٹاخوں اور آتش بازیوں کی اجازت نہیں دی بلکہ مسلمانوں کو اس دن میں اپنی خوشی کے اظہار کا سب سے بڑا طریقہ جو بتلایا گیا وہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہونا، جس کا مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ خوشیوں کے وقت میں اتراتے پھرنا، ایمان والے کی شان کے موافق نہیں بلکہ اس کی جبینِ نیاز تو ہمیشہ خدا کے سامنے خم رہنی چاہیے۔

لفظ عید کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ دن؛ جس کے زندگی میں بار بار آنے کی تمنا کی جائے، اس طرح عید کے حقیقی معنی مسرت وانبساط کے ہیں۔ عید کو 'عید' کہہ کر اس تمنا کا اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ مبارک ومسعود دن ہماری زندگی میں بار بار آئے۔ عیدالفطر میں 'الفطر' کا لاحقہ اس بنا پر ہے کہ اس دن ایک ماہ کے بعد روزوں کا افطار کیا جاتا ہے اور صاحبِ نصاب فطرہ نکال کر غریبوں کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس دن خوشی اس بات کی نہیں منائی جاتی کہ ا? ج روزوں سے چھٹکارا مل گیا بلکہ ایسا سمجھنا اور کہنا تو عین حماقت ہے، اس دن تو خوشی اس بات کی منائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رمضان المبارک میں اپنے احکامات کا جو خاص فریضہ عائد کیا تھا ہم نیا سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل واحسان سے استطاعت بھر ادا کر کے انجام تک پہنچا دیا۔ دوسری وجہ اس خوشی کی یہ ہے کہ رمضان کے ان روزوں کے اختتام پر جو

رات ا?تی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کا مختتانہ دیتے ہیں جسے 'لیلۃ الجائزۃ' سے موسوم کیا جاتا ہیاور تیسری وجہ اس خوشی کی یہ ہے کہ عید الفطر کے دن جب روزے دار عید گاہوں کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو راستوں پر کھڑا کروا کر یہ منادی کرواتے ہیں کہ خوش خبری ہو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے رمضان کے احکامات کو بحسن و خوبی انجام دیا آج میں نے تمھاری ان نیکیوں کے بدلے میں تم سب کو معاف کر دیا ہے، اب عید کی نماز ادا کر کے خوش و خرم، بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ!

عید الفطر در دِل کا پیغام بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس میں معاشرتی اور سماجی فلاح کے پیش نظر آسودہ حال مسلمانوں کا پورا خیال رکھا گیا ہیاور مسلمانوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ تم اپنی خوشیوں کے موقع پر ان غریبوں کو ہرگز فراموش نہ کر دینا جو کہ تمھارے ا?س پاس ہی رہتے ہیں بلکہ اپنی نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے پہلے تم فطرے کی شکل میں انھیں عیدی دیتے ہوئے جاؤ تا کہ وہ بھی عید کی خوشیاں منا سکیں۔ اپنے لیے تو ہر انسان جیتا ہے لیکن جو محمدی ہونے کا دعوے دار ہے، اسے دوسروں کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے۔ ارشادِ رسولؐ ہے: ''عید کے دن غریبوں کو خوشحال اور غنی کرو'' نیز آپؐ نے فرمایا: ''روزوں کی عبادت اس وقت تک زمین و آسمان میں معلّق رہتی ہیاور بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبول حاصل نہیں کرتی، جب تک صاحب نِصاب شخص فطرہ ادا نہ کر دے''۔ اسلام میں عید صرف ایک رسمی تہوار نہیں بلکہ سراپا عبادت ہے، جیسا کہ متذکرہ تفصیلات سے عیاں ہے کہ غریبوں و محتاجوں کی خوشیوں کا سامان کرنا عید کا حقیقی مقصد ہے۔

ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ? نمازِ عید ادا کر کے لوٹ رہے تھے، ا?پ نے دیکھا کہ بہت سے بچے عید کی خوشیاں منانے میں مشغول ہیں لیکن ایک بچہ مغموم سا الگ تھلگ ہے۔ آپؐ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیوں رو رہے ہو؟ اس لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا، میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں ہے! اس بچے کے اس جواب کو سن کر آپؐ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپؐ نے فرمایا؛ میرے والدین بھی میرے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ محمدِ عربی تمھارا سرپرست ہو؟ آپؐ اس کو اپنے ساتھ گھر لے آئے اور اسے عمدہ لباس پہنایا۔ وہ بچہ جب عمدہ کپڑے پہن کر باہر نکلا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ آج سے میرے سرپرست حضرت محمدؐ ہیں۔ یہ واقعہ ہمیں یہ سیکھ دیتا ہے کہ ہمیں بھی یتیموں، بیواو?ں، غریبوں اور مسکینوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیاور سچ بات تو یہ ہے کہ اس کے بغیر عید کا حقیقی مقصد ہمیں حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عید کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عیدان کی نہیں جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو زیبِ تن کر لیا بلکہ حقیقی عید تو ان کی ہے جو خدا کی وعید اور پکڑ سے ڈر گئے۔

عیدان کی نہیں جنھوں نے عطر و خوشبو و?ں کا استعمال کیا بلکہ عید تو ان کی ہے، جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی و راس توبہ پر قائم رہے۔

عیدان کی نہیں جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور بہت سے پکوان بنائے بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے بقدرِ استطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور نیکی کی راہ پر گامزن ہوئے۔

عیدان کی نہیں جو آفاق میں گم ہو گئے بلکہ عید تو ان کی ہے جن میں آفاق گم ہو گئے۔

عیدان کی نہیں جو بندۂ آفاق بن گئے بلکہ عید تو ان کی ہے جو خود صاحبِ آفاق بن گئے اور تقویٰ کی روش اختیار کی۔

عیدان کی نہیں جنھوں نے چمکتی دمکتی سواریوں میں سفر کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نیکنا ہوں کو ترک کرنا اپنا شیوہ بنالیا۔

عیدان کی نہیں جنھوں نے اپنے مکانوں کی آرائش وزیبائش کی بلکہ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے خیر وعافیت کے ساتھ گزر گئے۔

عید میں مسلمانوں کی اجتماعیت اور وحدت کا پیغام بھی پنہاں ہے کہ اس موقع پر مال دار، غریب، آقا، غلام، گورا، کالا، عربی اور عجمی خواہ کوئی ہو، سب ایک ساتھ شانہ بہ شانہ بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ بقول اقبال؛

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یہ تو ہیں عید الفطر کے اصل پیغامات، جن کو سمجھنا اور پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہم سب کی ذمے داری ہے لیکن ان سب کے ساتھ ہمیں حقائق سے بھی آنکھیں ملانی ہوں گی اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج ہماری قوم میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عید کے ان حقیقی پیغامات کو فراموش کر چکے ہیں، ان کے نزدیک عمدہ لباس زیبِ تن کر لینا، بہترین عطر لگا لینا، واجب مقدار میں تھوڑا سا فطرہ ادا کر دینا اور اپنی آل واولاد میں عیدی کالین دین کر لینا، جس گھر سے ہمارے گھر میں ایک پیالی آجائے، اس گھر میں ایک پیالی پہنچا دینا اور پھر زور شور سے پہلے ٹھیک ٹھاک اشعار اور پھر فحش گانے باجے زور وشور سے بجا کر آس پڑوس والوں کو دِق کرنا، کسی نئی فلم کی ٹکٹ (جو کہ رمضان کے دنوں میں ہی خریدی جاتی ہے) پر تین گھنٹے کے لیے کسی سنیما حال میں جا بیٹھنا، شام کے وقت میں کسی تفریح کے مقام پر سیر سپاٹے کے لیے نکل جانا یا کسی ریسٹورنٹ میں دوستوں یا اہلِ خانہ کے ساتھ پہنچ جانا۔۔۔یہی ہماری ہر عید کا معمول بن کر رہ گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ کسی کو اس رویے میں کوئی خرابی بھی نظر نہیں آتی بلکہ رمضان کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیئے ان سب باتوں کو بالکل مباح سمجھا جاتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس طرح ہم تیس دنوں کی کری کرائی محنت پر ایک دن میں پانی پھیر دیتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ شیطان نے اپنے رب سے انسان کو بہکانے کا جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ اسے نہیں بھولا اور ہم نے جو اللہ کی اطاعت کا وعدہ عالمِ ارواح میں کیا تھا، ہم وہ بھول گئے اور ہمارا معاشرہ حساس اور دردمند دل رکھنے والے افراد سے خالی ہو گیا، اب معاشرے میں یا تو وہ لوگ نظر آتے ہیں جنھیں دین واحکامِ دین سے سروکار نہیں یا وہ جو رسمی سی چیزیں اپنے طور پر کر لینے کو کافی سمجھ لیتے ہیں، یہ جو نکتہ یہاں بیان کیا گیا، اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن چوں کہ ہمیں مضمون کو بھی سمیٹنا ہے اس لیے اس دعوت پر اپنی بات کو ختم کرتے ہیں کہ اسلام اور احکامِ اسلام کو پورے دل سے مانیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں اور نیک اعمال کر لینے کے بعد شیطان کے بہکاوے میں آکر ان کو برباد کرنے سے احتراز کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور عید کی حقیقی خوشیوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

☆☆☆

فتنہ انکار حدیث

# حدیث کی اہمیت وحیثیت

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ

**(یہ تحریر بعنوان ''تعارف'' سید صاحب نے مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کی کتاب ''تدوین حدیث'' پر لکھی تھی، فتنہ انکار حدیث اور منکرین حدیث اور عقل کے ماروں کے لئے یہ مختصر و جامع تحریر تریاق کی حیثیت رکھتی ہے، افادۂ عام کی غرض سے اس کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)**

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علمِ حدیث کی شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے، آیات کا شانِ نزول اوران کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح وتعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علمِ حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے، اسی طرح حاملِ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ، اور اخلاق و عادات مبارکہ اور آپ کے اقوال واعمال اور آپ کے سنن و مستحبات اور احکام وارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اوران کے اعمال واقوال اور اجتہادات واستنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کے بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود وقائم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا۔

مسلمانوں نے آغازِ اسلام سے قرآن پاک کے بعد اس علم کو اپنے سینہ سے لگایا اور اپنی پوری محنت، قابلیت اور اخلاص و عقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات واسناد کی حفاظت کی مثال نہیں پیش کرسکتی اور ایسا ہونا ضروری تھا کیوں کہ اسلام قیامت تک کی زندگی لے کر آیا ہے اس لئے اس کے صحیفۂ آسمانی اور حیاتِ نبوی کا رشتہ بھی قیامت کے دامن سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کا اظہار قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا ہے:

وكيف تكفرون وأنتم تتلىٰ عليكم آيات الله وفيكم رسوله

اور تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرسکتے ہو حالانکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔

اس آیت پاک سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دائمی ہدایت کے لئے دو ایسی مشعلیں روشن کردی ہیں جو قیامت تک بجھنے والی نہیں ہیں، ان میں سے ایک تو آیات اللہ یعنی قرآن پاک

اور دوسری چیز رسول کا وجود، حقیقی وجود بھی اور مجازی بھی، ظاہر ہے کہ کوئی انسان اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں آیا اور نہ رسول اللہ ﷺ آئے چنانچہ قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کر دیا ہے:

وما جعلنا لبشر ومن قبلك الخلد انك ميت وانهم ميتون ( اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کے لئے بھی ہمیشہ کی حیات دنیا نہیں رکھی، اور آپ بھی مرجائیں گے اور وہ بھی مرجائیں گے۔)

لیکن اس موت کے بعد بھی حیات نبوی کو مجازاً وہی دوام و قیام نصیب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کے ہر حرف کو دوام بخشا اور علمِ حدیث کے اوراق میں حضورِ انور ﷺ اب بھی اہل بصر کو چلتے پھرتے اور بولتے چالتے دکھائی دیتے ہیں، اسی لئے بزرگوں کا مقولہ ہے ''جس گھر میں حدیث کا مجموعہ ہے فکأنما فيه نبيّ يتكلم اس گھر میں نبی ﷺ اب بھی تکلم فرما رہے ہیں'' اسی بات کو حضور انور ﷺ نے اپنے اس قول مبارک میں ظاہر فرمایا ہے:

انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (موطا ومشکوۃ باب الاعتصام بالسنۃ)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جن دو کو جب تک مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس قرآن پاک اور سنت نبوی دونوں مل کر قیامت تک یہ ہدایت کا سرچشمہ رہے گا، دوسری بات اس سے یہ واضح ہوئی کہ اسلام کی صحیح تصویر اور اسلام کی صحیح تعلیم کتاب اور سنت کی باہمی توفیق و تطبیق سے معلوم ہوگی اور جن لوگوں نے یہ چاہا یا چاہیں گے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کریں اور ایک کو مانیں اور دوسرے کا انکار کریں وہ صراطِ مستقیم سے دور ہوئے اور ہوں گے۔

جن لوگوں کی نظر ملل ونحل اور علم کلام وعقائد اور تاریخ فرق پر ہے وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا، خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے مقابل کے فرقہ نے کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اور صرف اپنے ائمہ کی سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو بتاویل تسلیم کیا اور احادیث سے اعراض کیا اور راہِ راست سے دور ہوئے۔

جو کچھ پہلے ہوا وہ آج بھی ہو رہا ہے، سرسید کے زمانے سے احادیث کا فن ناآشنایانِ فن کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے، چونکہ ان کے خودساختہ عقل کے معیار پر جو چیز پوری نہیں اترتی، اگر قرآن پاک کی کوئی آیت ہے تو اس کی دور از کار تاویل اور اگر حدیث ہے تو اس سے انکار کر کے اپنے زعم میں اسلام کے چہرہ سے خلافِ عقل ہونے کا داغ مٹانا چاہتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ داغ سمجھ سمجھ کر خدا جانے اسلام کی صحیح تصویر کے کتنے اجزا کو مٹا چکے ہیں۔

قرآن پاک کے فہم کے نئے دعویدار اس زمانے میں اور بھی پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پاک کو ہر ضرورت اور ہر حکم اور ہر مسئلہ کے لئے کافی اور اپنی عقل اور فہم کو اس کی تفسیر وتشریح کافی تر سمجھتے ہیں اور اس طرح وہ یہ چاہتے ہیں کہ احادیث اور فقہ کا سارا دفتر مٹ جائے اور ان کی جگہ ان کے ''اجتہادات'' اور ''استنباطات'' قرآن پاک کا حقیقی اڈیشن اور اسلام کی صحیح تعلیمات کا مستند مخزن قرار پا جائے ہیہات ہیہات، ان بدعتیوں اور گمراہوں نے تو مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کو جو فن حدیث پر انہوں نے کئے ہیں اپنا کر سرے سے اس فن کی بیخ کنی شروع کر دی، انہیں سے سن کر یہ کہا جاتا ہے کہ حدیثیں تو حضور انور ﷺ کے ڈھائی سو برس بعد قلمبند ہوئی ہیں ان کا کیا اعتبار اور کبھی

حدیث کے فن رجال کی وثاقت پر اعتراضات کئے جاتے ہیں اور کبھی عقلی حیثیت سے ان پر ایرادات پیش کئے جاتے ہیں اور ان سب کے نتیجہ کے طور پر کوئی نماز کے اوقات کو اور کوئی نماز کے ارکان کو کوئی روزہ کی تعداد کو، کوئی حج کے ارکان کو، کوئی قربانی کو، کوئی سمتِ قبلہ کو، کوئی وضو کی ہیئت یا ضرورت کو، کوئی مسلمانوں کے اصولِ وراثت کو بدلنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو ایک نئے اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ان میں سے بعض آگے بڑھ کر عقائد میں بھی کتر بیونت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بعض تو حیاتِ برزخ کا انکار، گنہگاروں کی شفاعت اور بخشش کا انکار، محمد رسول اللہ ﷺ پر عدمِ ایمان سے عدمِ نجات کے مسلمہ عقائد کا انکار کر رہے ہیں اور عدمِ حجیت حدیث کو اپنے مبتدع عقائد کے ثبوت کے لئے ضروری جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کی کھلی شہادت اس سے ملتی ہے کہ صحابہؓ کے آخری زمانے سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں چھوٹے بڑے بدعتی فرقے پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش اور اسلام کے منور آئینہ کو مکدر کر دینا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جنہوں نے بتائید الٰہی ان گرد بیزوں کی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اور ان کے بدعات کے گرد و غبار کو ہٹا کر اس آئینہ کو ہمیشہ روشن رکھا۔

اس زمانے میں بھی ان بدعتیوں کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو ہمت، جرأت، بصیرت اور اہلیت و استعداد بخشی جنہوں نے ان کے ہر نیزے کو اپنے سپر سے روکا، ان کے ہر حملہ کا کلہ بکلہ جواب دیا، ان کے ہر اعتراض کو دور کیا اور ان کے ہر شبہ کو دفع کیا۔

☆☆☆

(..... **بقیہ صفحہ ۲۱ نمبر کا**)

اس کا ماننا فرض بلکہ شرطِ اسلام ہے جس طرح ''بادشاہ'' غلطی نہیں کر سکتا اسی طرح ''مرکز ملت'' بھی سبوح وقدوس ہے لوگوں کا کام اس کے سامنے بس سر جھکا دینا ہے۔ ''اللہ اور رسول'' نہ تنقید کے ہدف بن سکتے ہیں، نہ ان کے خطا کار ہونے کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے، اور نہ ان کو بدلا ہی جا سکتا ہے۔

اس نئے اسلام کے ''نظام ربوبیت'' پر ایمان لانے والے تو ابھی بہت کم ہیں۔ لیکن اس کے باقی تمام تعمیری اور تخریبی اجزاء چند مخصوص حلقوں میں بڑے مقبول ہو رہے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کے لیے اس کا تصورِ ''مرکز ملت'' بہت اپیل کرنے والا ہے، اس لازمی شرط کے ساتھ کہ مرکزِ ملت وہ خود ہوں۔ اور یہ خیال بھی انہیں بہت پسند آتا ہے کہ تمام ذرائع ان کے تصرف میں ہوں اور قوم پوری طرح غیر منظم ہو کر ان کی مٹھی میں آجائے۔ ہمارے ججوں اور قانون پیشہ لوگوں کا ایک عنصر اسے اس لیے پسند کرتا ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں جس قانونی نظام کی تعلیم و تربیت انہوں نے پائی ہے اس کے اصولوں اور بنیادی تصورات و نظریات اور جزئی و فروعی احکام سے اسلام کا معروف قانونی نظام قدم قدم پر ٹکراتا ہے اور اس کے مآخذ تک بھی ان کی دسترس نہیں ہے، اس بنا پر وہ اس خیال کو بہت پسند کرتے ہیں کہ سنت اور فقہ کے جھنجھٹ سے انہیں نجات مل جائے اور صرف قرآن باقی رہ جائے جس کی تاویل کرنا جدید لغت کی مدد سے اب اور بھی زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مغربیت زدہ لوگوں کو یہ مسلک اپنی طرف کھینچ رہا ہے کیوں کہ اسلام سے نکل کر مسلمان رہنے کا اس سے زیادہ اچھا نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ آخر اس سے زیادہ مزے کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو کچھ مغرب میں حلال اور ''ملا کے اسلام'' میں آج تک حرام رہا ہے وہ حلال بھی ہو جائے اور قرآن کی سند ان حلال کرنے والوں کے ہاتھ ہو۔

☆☆☆

فتنہ انکار حدیث

# فتنۂ انکار حدیث اور اس کے اسباب

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

**منکرین حدیث کی بیخ کنی کے لئے مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مضامین لکھے، بعد میں سب کو یکجا کر کے سنت کی آئینی حیثیت کے نام سے شائع کیا گیا، یہ کتاب اپنے موضوع پر شاہکار ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس کا دیباچہ تمام منکرین حدیث کی پول کھولتا ہے اور انہیں آئینہ دکھاتا ہے، قارئین اسے پڑھیں اور دیکھیں کہ راشد شاذ کی تحریریں ان ہی اسباب کا نتیجہ ہیں یا نہیں جن کا ذکر مولانا مرحوم نے کیا ہے، مولانا کے یہ بیان کردہ اسباب ایسے کلیدی ہیں کہ تمام تر منکرین حدیث کی تحریریں ان ہی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ (ادارہ)**

انکار سنت کا فتنہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں اٹھا تھا۔ اور اس کے اٹھانے والے خوارج اور معتزلہ تھے۔ خوارج کو اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلم معاشرے میں جو انارکی وہ پھیلانا چاہتے تھے اس کی راہ میں رسول اللہ ﷺ کی وہ سنت حائل تھی جس نے اس معاشرے کو ایک نظم و ضبط پر قائم کیا تھا۔ اور اس کی راہ میں حضورؐ کے وہ ارشادات حائل تھے جن کی موجودگی میں خوارج کے انتہا پسندانہ نظریات نہ چل سکتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے احادیث کی صحت میں شک اور سنت کے واجب الاتباع ہونے سے انکار کی دوگونہ پالیسی اختیار کی۔ معتزلہ کو اس کی ضرورت اس لیے لاحق ہوئی کہ عجمی اور یونانی فلسفوں سے پہلا سابقہ پیش آتے ہی اسلامی عقائد اور اصول و احکام کے بارے میں جو شکوک وشبہات ذہنوں میں پیدا ہونے لگے تھے انہیں پوری طرح سمجھنے سے پہلے وہ کسی نہ کسی طرح انہیں حل کر دینا چاہتے تھے۔ خود ان فلسفوں میں ان کو وہ بصیرت حاصل نہ ہوئی تھی کہ ان کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کی صحت وقوت جانچ سکتے۔ انہوں نے ہر اس بات کو جو فلسفے کے نام سے آئی سراسر عقل کا تقاضا سمجھا اور یہ چاہا کہ اسلام کے عقائد اور اصولوں کی ایسی تعبیر کی جائے جس سے وہ ان نام نہاد عقلی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔ اس راہ میں پھر وہی حدیث وسنت مانع ہوئی۔ اس لیے انہوں نے بھی خوارج کی طرح حدیث کو مشکوک ٹھیرایا اور سنت کو حجت ماننے سے انکار کیا۔

ان دونوں فتنوں کی غرض اور ان کی تکنیک مشترک تھی۔

ان کی غرض یہ تھی کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قولی و عملی تشریح و توضیح سے اور اس نظام فکر و عمل سے جو خدا کے پیغمبر نے اپنی رہنمائی میں قائم کر دیا تھا الگ کر کے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے اور پھر اس کی من مانی تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا ڈالا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔ اس غرض کے لیے جو ٹکنیک انہوں نے اختیار کیا اس کے دو حربے تھے۔ ایک یہ کہ احادیث کے بارے میں شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضورؐ کی ہیں بھی یا نہیں۔ دوسرے یہ اصولی سوال اٹھایا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضورؐ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت و اتباع کے پابند کب ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لیے معمور کیے گئے تھے، سو انہوں نے وہ پہنچا دیا۔ اس کے بعد محمدؐ بن عبداللہ ویسے ہی ایک انسان تھے جیسے ہم ہیں، انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لیے حجت کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ دونوں فتنے تھوڑی مدت چل کر اپنی موت آپ مر گئے اور تیسری صدی کے بعد پھر صدیوں تک اسلامی دنیا میں ان کا کہیں نام و نشان باقی نہ رہا، جن بڑے بڑے اسباب نے اس وقت ان فتنوں کا قلع قمع کر ڈالا وہ حسب ذیل تھے:

۱۔ محدثین کا زبردست تحقیقی کام، جس نے مسلمانوں کے تمام سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو مطمئن کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت جن روایات سے ثابت ہوتی ہے وہ ہرگز مشتبہ نہیں ہیں بلکہ نہایت معتبر ذرائع سے امت کو پہنچی ہیں، اور ان کو مشتبہ روایات سے الگ کرنے کے لئے بہترین علمی ذرائع موجود ہیں۔

۲۔ قرآن کی تصریحات، جن سے اس زمانے کے اہل علم نے عام مسلمانوں کے سامنے یہ بات ثابت کر دی کہ دین کے نظام میں محمد رسول اللہ کی وہ حیثیت ہرگز نہیں ہے جو منکرین سنت حضورؐ کو دینا چاہتے ہیں۔ آپ قرآن پہنچا دینے کے لیے محض ایک نامہ بر مقرر نہیں کیے گئے تھے، بلکہ آپؐ کو خدا نے معلم، رہنما، مفسر قرآن، شارعِ قانون اور قاضی و حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ لہذا خود قرآن ہی کی رو سے آپؐ کی اطاعت و پیروی ہم پر فرض ہے اور اس سے آزاد ہو کر جو شخص قرآن کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے وہ دراصل قرآن کا پیرو بھی نہیں ہے۔

۳۔ منکرین سنت کی اپنی تاویلات، جن کا کھلونا قرآن کو بنا کر انہوں نے عام مسلمانوں کے سامنے یہ حقیقت بالکل برہنہ کر دی کہ سنت رسول اللہ سے جب کتاب اللہ کا تعلق توڑ دیا جائے تو دین کا حلیہ کس بری طرح بگڑتا ہے، خدا کی کتاب کے ساتھ کیسے کیسے کھیل کھیلے جاتے ہیں، اور اس کی معنوی تحریف کے کیسے کیسے مضحکہ انگیز نمونے سامنے آتے ہیں۔

۴۔ امت کا اجتماعی ضمیر، جو کسی طرح یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ مسلمان کبھی رسولؐ کی اطاعت و پیروی سے آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ چند سر پھرے انسان تو ہر زمانے اور ہر قوم میں ایسے نکل سکتے ہیں جو بے تکی باتوں ہی میں تک محسوس کرتے ہوں۔ مگر پوری امت کا سر پھرا ہو جانا بہت مشکل ہے۔ عام مسلمانوں کے ذہنی سانچے میں یہ غیر معقول بات کبھی ٹھیک نہ بیٹھ سکی کہ آدمی رسولؐ کی رسالت پر ایمان بھی لائے اور پھر اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار بھی پھینکے۔ ایک سیدھا سادھا مسلمان، جس کے دماغ میں ٹیڑھ نہ ہو، عملاً نافرمانی کا مرتکب تو ہو سکتا ہے، لیکن یہ عقیدہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا کہ جس رسولؐ پر وہ ایمان لایا ہے اس کی اطاعت کا وہ سرے سے پابند ہی نہیں ہے۔ یہ سب سے بڑی بنیادی چیز تھی جس نے آخر کار منکرین سنت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ اس پر مزید یہ کہ مسلمان قوم کا مزاج اتنی بڑی بدعت کو

ہضم کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوسکا کہ اس پورے نظامِ زندگی کو، اس کے تمام قاعدوں اور ضابطوں اور اداروں سمیت، رد کردیا جائے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد سے شروع ہوکر خلفائے راشدین، صحابۂ کرام، تابعین، ائمۂ مجتہدین اور فقہاء امت کی رہنمائی میں مسلسل ایک ہموار طریقے سے ارتقاء کرتا چلا آرہا تھا، اور اسے چھوڑ کر آئے دن ایک نیا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں بنوایا جائے جو دنیا کے ہر فلسفے اور ہر تخیل سے متاثر ہوکر اسلام کا ایک جدید ایڈیشن نکالنا چاہتے ہوں۔

اس طرح فنا کے گھاٹ اتر کر یہ انکارِ سنت کا فتنہ کئی صدیوں تک اپنی شمشان بھومی میں پڑا رہا، یہاں تک کہ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں وہ پھر جی اٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا۔ اب یہ دوسرا جنم اس نے ہندوستان میں لیا۔ یہاں اس کی ابتدا کرنے والے سرسید احمد خاں اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علمبردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا۔ پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے۔ اور آخر کار اس کی ریاست چودھری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنہوں نے اس کو ضلالت کی انتہا تک پہنچادیا ہے۔ (☆)

اس کی دوسری پیدائش کا سبب بھی وہی تھا جو دوسری صدی میں پہلی مرتبہ اس کی پیدائش کا سبب بنا تھا، یعنی بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی تہذیبوں سے سابقہ پیش آنے پر ذہنی شکست خوردی میں مبتلا ہوجانا، اور تنقید کے بغیر باہر کی ان ساری چیزوں کو سراسر تقاضائے عقل مان کر اسلام کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا۔ لیکن دوسری صدی کی بہ نسبت تیرھویں صدی کے حالات بہت مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے، ان کو فوجی و سیاسی غلبہ حاصل تھا، اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح ومغلوب قوموں کے فلسفے تھے۔ اس وجہ سے ان کے ذہن پر ان فلسفوں کا حملہ بہت ہلکا ثابت ہوا اور بہت جلدی رد کردیا گیا۔ اس کے برعکس تیرہویں صدی میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جبکہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے، ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی جاچکی تھی، ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہوچکا تھا، ان کو معاشی حیثیت سے بری طرح کچل ڈالا گیا تھا، ان کا نظام تعلیم درہم برہم کردیا گیا تھا، اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان اپنے قوانین، اور اپنے اجتماعی و سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کردیا تھا۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحوں کے فلسفے اور سائنس سے اور ان کے قوانین اور تہذیبی اصولوں سے سابقہ پیش آیا تو قدیم زمانے کے معتزلہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ سخت مرعوب ذہن رکھنے والے معتزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات، جو افکار و تخیلات، جو اصولِ تہذیب و تمدن اور جو قوانین حیات آرہے ہیں وہ سراسر معقول ہیں، ان پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقید کرکے حق و باطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے، زمانے کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔

---

(☆) نوٹ: انکار حدیث کے تمام روایتی مباحث تو راشد شاذ کی تحریروں میں موجود ہیں ہی مزید برآں وہ ان تمام منکرین حدیث سے آگے بڑھ کر نئے مباحث متعارف کراتا ہے اور قبلہ و کعبہ ڈھاتا نظر آتا ہے، سلطنت پرویزی سے یہ جاگیر شاذ کو عطا ہوئی ہے جس کے اثرات اس کے جملوں اور تحریروں میں صاف نظر آتے ہیں اسے مولانا مودودی کی تحریر کا کمال کہیے یا منکرین حدیث کے مباحث کی یکسانیت کہ اب بھی یوں محسوس ہورہا ہے کہ یہ تحریر مولانا مودودی نے راشد شاذ کے ہی تعاقب میں لکھا ہے۔ (مدیر)

اس غرض سے جب انہوں نے اسلام کی مرمت کرنی چاہی تو انہیں بھی وہی مشکل پیش آئی جو قدیم زمانے کے معتزلہ کو پیش آئی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کے نظامِ حیات کو جس چیز نے تفصیلی اور عملی صورت میں قائم کیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اسی سنت نے قرآن کی ہدایات کا مقصد و منشا متعین کر کے مسلمانوں کے تہذیبی تصورات کی تشکیل کی ہے، اور اسی نے ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کے عملی ادارے مضبوط بنیاد پر تعمیر کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اسلام کی کوئی مرمت اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ اس سنت سے پیچھا چھڑایا جائے۔ اس کے بعد صرف قرآن کے الفاظ رہ جاتے ہیں جن کے پیچھے نہ کوئی عملی نمونہ ہوگا۔ نہ کوئی مستند تعبیر و تشریح ہوگی اور نہ کسی قسم کی روایات اور نظیریں ہوں گی۔ ان کو تاویلات کا تختۂ مشق بنانا آسان ہوگا اور اس طرح اسلام بالکل ایک موسم کا گولہ بن کر رہ جائے گا جسے دنیا کے ہر چلتے ہوئے فلسفے کے مطابق ہر روز ایک نئی صورت دی جا سکے گی۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے پھری وہی ٹکنیک، انہی دو حربوں کے ساتھ اختیار کیا جو قدیم زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، یعنی ایک طرف ان روایات کی صحت میں شک ڈالا جائے جن سے سنت ثابت ہوتی ہے، اور دوسری طرف سنت کے بجائے خود حجت و سند ہونے سے انکار کر دیا جائے۔ لیکن یہاں پھر حالات کے فرق نے اس ٹکنیک اور اس کے حربوں کی تفصیلی صورت میں بڑا فرق پیدا کر دیا۔ قدیم زمانے میں جو لوگ اس فتنے کا علم لے کر اٹھے تھے وہ ذی علم لوگ تھے عربی زبان و ادب میں پایہ رکھتے تھے۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم میں کافی ورک رکھتے تھے۔ اور ان کو سابقہ بھی اس مسلمان پبلک سے تھا جس کی علمی زبان عربی تھی، جس میں عام لوگوں کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا، جس میں علومِ دینی کے ماہرین بہت بڑی تعداد میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، اور ایسی پبلک کے سامنے کوئی کچی پکی بات لا کر ڈال دینے سے خود اس شخص کی ہوا خیزی ہو جانے کا خطرہ تھا جو ایسی بات لے کر آئے۔ اسی وجہ سے قدیم زمانے کے معتزلہ بہت سنبھل کر بات کرتے تھے۔ اس کے برعکس ہمارے دور میں جو لوگ اس فتنے کو ہوا دینے کے لئے اٹھے ہیں ان کا اپنا علمی پایہ بھی سرسید کے زمانہ سے لے کر آج تک درجہ بدرجہ ایک دوسرے سے فروتر ہوتا چلا گیا ہے، اور ان کو سابقہ بھی ایسی پبلک سے پیش آیا ہے جس میں عربی زبان اور دینی علوم جاننے والے کا نام ''تعلیم یافتہ'' نہیں ہے اور ''تعلیم یافتہ'' اس شخص کا نام ہے جو دنیا میں اور چاہے سب کچھ جانتا ہو مگر قرآن پر بہت مہربانی کرے تو کبھی کبھار اس کو ترجموں۔ اور وہ بھی انگریزی ترجموں۔ کی مدد سے پڑھ لے، حدیث، حدیث اور فقہ کے متعلق حد سے کچھ سنی سنائی معلومات۔ اور وہ بھی مستشرقین کی پہنچائی ہوئی معلومات۔ پر اکتفا کرے، اسلامی روایات پر زیادہ سے زیادہ ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال لے اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ یہ کچھ بوسیدہ ہڈیوں کا مجموعہ ہے جسے ٹھکرا کر زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے، پھر اس ذخیرۂ علم دین کے بل بوتے پر وہ اس زعم میں مبتلا ہو کہ اسلام کے بارے میں میں آخری اور فیصلہ کن رائیں قائم کرنے کی وہ پوری اہلیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے حالات میں پرانے اعتزال کی بہ نسبت نئے اعتزال کا معیار جیسا کچھ گھٹیا ہو سکتا ہے ظاہر ہے یہاں علم کم اور بے علمی کی جسارت بہت زیادہ ہے!

اب جو ٹکنیک اس فتنے کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اس کے اہم اجزا یہ ہیں:

(۱) حدیث کو مشتبہ ثابت کرنے کے لیے مغربی مستشرقین نے جتنے حربے استعمال کیے ہیں ان پر ایمان لانا اور اپنی طرف سے حواشی کا اضافہ کر کے انہیں عام مسلمانوں میں پھیلا دینا تا کہ ناواقف لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ

رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے سوا کوئی چیز بھی امت کو قابلِ اعتماد ذرائع سے نہیں ملی ہے۔

(۲) احادیث کے مجموعوں کو عیب چینی کی غرض سے کھنگالنا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے کبھی قرآن کو کھنگالا۔ اور ایسی چیزیں نکال کر، بلکہ بنا بنا کر عوام کے سامنے پیش کرنا جن سے یہ تاثر دیا جاسکے کہ حدیث کی کتابیں نہایت شرمناک یا مضحکہ خیز مواد سے لبریز ہیں، پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ اپیل کرنا کہ اسلام کو رسوائی سے بچانا ہے تو اس سارے دفترِ بے معنی کو غرق کردو۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت کو محض ایک ڈاکیے کا منصب قرار دینا جس کا کام بس اس قدر تھا کہ لوگوں کو قرآن پہنچادے۔

(۴) صرف قرآن کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دینا اور سنت رسول کو اسلام کے قانونی نظام سے خارج کردینا۔

(۵) امت کے تمام فقہاء محدثین، مفسرین اور ائمہ لغت کو ساقط الاعتبار قرار دینا تاکہ مسلمان قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ان کی طرف رجوع نہ کریں بلکہ ان کے متعلق اس غلط فہمی میں پڑجائیں کہ ان سب نے قرآن کی حقیقی تعلیمات پر پردے ڈالنے کے لیے ایک سازش کررکھی تھی۔

(۶) خود ایک نئی لغت تصنیف کرکے قرآن کی تمام اصطلاحات کے معنی بدل ڈالنا اور آیاتِ قرآنی کو وہ معنی پہنانا جن کی کوئی گنجائش دنیا کے کسی عربی داں آدمی کو قرآن کے الفاظ میں نظر نہ آئے۔ (لطف یہ ہے کہ جو صاحب یہ کام کر رہے ہیں ان کے سامنے اگر قرآن کی چند آیتیں اعراب کے بغیر لکھ کر رکھ دی جائیں تو وہ انہیں صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اب خود عرب بھی عربی نہیں جانتے اس لیے اگر ان کے بیان کردہ معنوں کی گنجائش کسی عرب کو قرآن کے الفاظ میں نظر نہ آئے تو قصور اس عرب ہی کا ہے۔)

اس تخریبی کام کے ساتھ ساتھ ایک نئے اسلام کی تعمیر بھی ہورہی ہے جس کے بنیادی اصول تعداد میں صرف تین ہیں، مگر دیکھیے کہ کیسے بے نظیر اصول ہیں:

اس کا پہلا اصول یہ ہے کہ تمام شخصی املاک کو ختم کرکے ایک مرکزی حکومت کے تصرف میں دے دیا جائے اور وہی حکومت افراد کے درمیان تقسیم رزق کی مختار کل ہو۔ اس کا نام ہے ''نظام ربوبیت'' اور کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اصل مقصود یہی نظام قائم کرنا تھا۔ مگر پچھلے تیرہ سو سال میں کسی کو اسے سمجھنے کی توفیق میسر نہ ہوئی۔ صرف حضرت مارکس اور ان کے خلیفۂ حضرت اینجلز قرآن کے اس مقصدِ اصل کو پاسکے۔

اس کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام پارٹیاں اور جماعتیں توڑ دی جائیں اور مسلمانوں کو قطعاً کوئی جماعت بنانے کی اجازت نہ دی جائے، تاکہ وہ معاشی حیثیت سے بے بس ہوجانے کے باوجود اگر مرکزی حکومت کے کسی فیصلے کی مزاحمت کرنا چاہیں تو غیر منظم ہونے کی وجہ سے نہ کرسکیں۔

اس کا تیسرا اصول یہ ہے کہ قرآن میں جس اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور جس کی اطاعت بجالانے، اور جسے آخری سند تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد ہے ''مرکزِ ملت'' یہ مرکزِ ملت چونکہ خود اللہ اور رسول ہے اس لیے قرآن کو جو معنی وہ پہنائے وہی اس کے اصل معنی ہیں۔ اس کے کسی حکم یا قانون کے متعلق یہ سوال سرے سے اٹھایا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ جو کچھ وہ حرام کرے وہ حرام اور جو کچھ وہ حلال کرے وہ حلال۔ اس کا فرمان شریعت ہے اور عبادات سے لے کر معاملات تک جس چیز کی جو شکل بھی وہ تجویز کردے (..... **باقی صفحہ ۱۶ نمبر**)

صدائے احتجاج

# مصر میں مظالم اور مرسی کی سزائے موت کے خلاف
# متحدہ صدائے احتجاج

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

**مصری صدر ڈاکٹر محمد موسی کی سزائے موت کے بعد بنگلور میں کیا گیا مولانا سید سلمان الحسینی کا ولولہ انگیز خطاب، جس کو افادۂ عام کی غرض سے یہاں نقل کیا جارھا ھے۔ (ادارہ)**

محترم بزرگو! بھائیو اور بہنو! آج بنگلور میں اس عیدگاہ کے میدان میں مصر میں اسلام پسندوں پر ظلم اور سزائے موت کے فیصلہ کے خلاف اجلاس عام منعقد کیا جارہا ہے۔ اور اس کو ملت اسلامیہ ہند کی متحدہ آواز قرار دیا گیا ہے۔

بزرگو! عالم اسلام مکہ مکرمہ کی اسلامی عالم گیر تحریک سے وجود میں آیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں آخری نبی محمد ﷺ نے جاہلیت کے خلاف الحاد و دہریت کے خلاف، فسق و فجور کے خلاف، وقت کے ظالموں، اجارہ داروں، طاغوتوں کے خلاف مکہ مکرمہ میں انسانوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے والوں کے خلاف اور عالمی سطح پر رومن امپائر اور پرشین امپائر کے خلاف اور دنیا میں جتنی بھی ظالم حکومتیں اور طاغوتی طاقتیں ہیں ان کے خلاف جو صدا لگائی اور جس انقلاب کا اعلان فرمایا اور جس کا اظہار لا الہ الا اللہ تفلحوا اے لوگوں کہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کوئی مالک نہیں ہے کوئی حاکم نہیں ہے۔ کسی کے ہاتھ میں تصرفات نہیں ہیں، تم جب اس کو مانو گے اور کہو گے تو تمہیں کامیاب ہوگے، ظاہر ہے کہ یہ اعلان صرف ایک کلمہ ظاہر کا اعلان نہیں تھا بلکہ غیر اللہ کے نام سے کسی شکل میں بھی جو نظام بھی دنیا میں جزیرۃ العرب میں مکہ مکرمہ میں یا جزیرۃ العرب کے کسی شہر یا بستی میں قائم تھا یہ اعلان اس کے خلاف تھا، ابتداء یقیناً پوری دنیا کے قلب اور دنیائے انسانیت کے مرکز مکہ مکرمہ سے کی گئی تھی، لیکن اس ابتداء کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ اسی شہر میں محصور ہو کے رہ جائے گی، یا آگے بڑھے گی تو مدینہ منورہ کے اندر یہ محدود ہو کے رہ جائے گی، ظاہر ہے کہ یہ صدا اس لئے نہیں تھی بلکہ یہ اس لئے برپا کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی بنیاد پر کی گئی تھی کہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون وہی ہے اللہ جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت دیکر دین برحق دیکر اس لئے بھیجا ہے تا کہ اللہ اس دین متین کو تمام ادیان پر تمام مذاہب پر فلسفوں پر نظریات پر غالب فرمادے، شرک کرنے والوں کو کتنا ہی برا لگے دنیا کتنا ہی تلملائے اور اس دور کا عالم کتنا ہی بے چین ہو لیکن یہ فیصلہ الٰہی ہے۔ اور اس فیصلہ الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ یہ قافلہ کسی ایک شہر میں ٹھہرنے والا نہیں ہے۔ یہ قافلہ اٹھا ہی اس لئے ہے کہ مکہ سے مدینہ جائے گا۔ اور مدینہ سے پھر تبوک جائے گا، اور تبوک سے سیریا جائے گا، عراق جائے گا، ایران جائے گا، یہ مصر پہونچے گا، اور لیبیا اور تیونس اور الجزائر پھر اسپین پہونچے گا، اور آگے بڑھنے کی

کوشش کرتا رہے گا، یہ قافلہ ایران سے خراسان پہونچے گا، ترکستان پہونچے گا، ہندوستان پہونچے گا۔ اعلان کا مطلب یہ تھا، اور پھر محض یہ ایک فکری عنوان نہیں تھا، اس کا تعلق عمل سے تھا۔ اور تحریک سے تھا۔ دعوت سے تھا، اصلاح سے تھا، جہاد سے تھا غلبۂ اسلام کی کوشش سے تھا اعلائے کلمۃ اللہ سے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی ہونی ہے، یہ نہیں کہ صرف سجدوں میں مدرسوں میں خانقاہوں میں۔ جلسوں میں لوگ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرلیں اور اللہ اکبر کا زمزمہ سنا دیں، اور توحید کے نغمہ گالیں، مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے تئیں اللہ کا ذکر کر لیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے آخری دین کو برپا فرمایا گیا تھا۔ کہ نظام اللہ کا رہے گا قانون اللہ کا چلے گا، شریعت اللہ کی چلے گی، اور آخری نبی محمد ﷺ دنیا کے قائد ہوں گے، لیڈر ہوں گے، زعیم ہوں گے، رہبر ہوں گے، رہنما ہوں گے، وہی اصلی مرجع ہوں گے، انہیں کی طرف لوگوں کو رجوع کرنا پڑے گا اور ببانگ دہل کہنا ہوگا۔ ان ھدی اللہ ھو الھدی ، اللہ کی ہدایت ہی صرف ہدایت ہے۔ اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آخری نبی محمد گو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ نیا عالمی نظام برپا کیا جائے، تاکہ روئے زمین پر قانون الٰہی نافذ کیا جائے، تاکہ دنیا کو جاہلیت کی دلدل سے نکالا جائے، تاکہ کلمہ الٰہی کے پھریرے لہرانے لگیں، اور اسی کے جھنڈے ہر جگہ بلند ہونے لگیں یہ قرآن کا فیصلہ ہے یہ اللہ کی آخری وحی کا اعلان ہے، یہ آخری نبی کی طرف سے تحریک کا اظہار ہے، یہی عمل تھا کہ جس کو مکہ مکرمہ میں شروع کیا گیا تھا، پھر ایک وقت آیا کہ مدینہ منورہ میں مرض الوفات میں انتقال کی گھڑیاں جب قریب تھیں اس وقت اپنے چہیتے پوتے متبنیٰ کا جو نظام چلا آرہا تھا اس کی بنیاد پر اسامہ، زید ابن حارثہ کے بیٹے تھے، زید بن حارثہ حضور کے چہیتے بیٹے کی طرح تھے اور اسامہ گویا کہ پوتے تھے، ابھی ۱۸-۱۹ سال کے جوان تھے کہ حضورؐ نے ان سے یہ فرمایا تھا اور آپ بستر وفات پر تھے کہ اسامہ لشکر لے کر جاؤ اور رومیوں کو روند کے رکھ دو یہ حکم تھا کہ پرشین امپائر، رومن امپائر میں گھستے چلے جاؤ، اور اپنے باپ زید ابن حارثہ کا بھی انتقام لو۔ اور اسلام کے جھنڈے لہرادو، رومیوں کو روندو، حضور پاک علیہ السلام کی سیرت پاک میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اور اس وقت تک آپ کو چین نہیں آیا جب تک کہ حضرت اسامہ آپ کے پاس سے روانہ نہیں ہوگئے، پھر جب انہیں اطلاع دی گئی ابھی وہ تھوڑے ہی فاصلہ پر تھے کہ حضور اکرمؐ کا انتقال قریب ہے ان کی والدۂ محترمہ نے کسی کو بھیج کر یہ اطلاع دلوائی تو وہ واپس آئے اور جنازہ میں شریک ہوگئے، لیکن ابوبکر صدیقؓ کے سامنے بھی یہ سب سے پہلا کام یہی تھا کہ رومن امپائر کی دھجیاں اڑا دینی چاہیے اور اسامہ کے لشکر کا جو فیصلہ نبوی تھا اسے نافذ کیا جائے، اسے نافذ کیا گیا اور اس کے کمال ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ اردن مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا، سیریا آیا اور فلسطین آیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ راستہ عمرو بن العاص کے لئے صاف ہوا جس نے مصر کو فتح کیا تھا اور مصر کو فتح کر کے لوگوں کو اس میں آزادی دی تھی، اس نے وہاں کے عیسائیوں کو بھی آزادی دی تھی، وہاں کے چرچ کا تحفظ بھی کیا تھا اور جو قبطی وہاں بسے ہوئے تھے ان کو بھی ان کے حقوق عطا کئے اور ظاہر ہے کہ کسی بھی اسلام یا اسلام کے نمائندہ کا کسی ملک میں جانا، اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ ہدایت کا پیغام دیا جائے، لوگوں کو علم سے جوڑا جائے لوگوں کو خرافات سے باہر نکالا جائے لوگوں کے سامنے صحیح طریقہ واضح کر دیا جائے، عدل وانصاف کی حکومت قائم کی جائے، اور جو مظلوم ہیں ان کو ظلم سے آزاد کرایا جائے، یہ مشن تھا ابوعبیدہ ابن الجراح کا، خالد ابن الولید کا اور محمد الفاتح

کا اور جتنے بھی فاتحین ہیں ان کا، لوگوں نے ان کو اس طرح پیش کیا کہ وہ تلوار لے کر چل رہے ہیں، اور جنگیں کر رہے ہیں اور یہ بھلا دیا کہ وہ کس سے جنگ کر رہے ہیں، جنگ انہوں نے کی، طاغوتوں سے جابروں سے ظالموں سے شیطانوں سے ملحدوں سے، انسانوں کی گردنوں پر ظلم کے جوئے ڈالنے والوں سے اجارہ داروں سے ٹھیکے داروں سے استحصال کرنے والی طاقتوں سے انہوں نے جنگ کی، انہوں نے عوام سے جنگ نہیں کی انہوں نے بے گناہوں پر ظلم نہیں کیا۔

انہوں نے مذاہب تک کو آزادی عطا فرمائی، اور انسانی حقوق سے لوگوں کو روشناس کرایا اور عدل وانصاف کے نظام کو قائم کیا، لیکن حضرت عمرو بن العاص کا ایک عجیب تجربہ تھا انہوں نے مصر فتح فرمایا لیکن ایک بات ارشاد فرمائی تھی مصریوں کے بارے میں کہ عبید لمن غلب ہر ظالم ہر جابر ہر ڈکٹیٹر کے یہ غلام ہیں، مصری قوم میں جہاں مجاہد بھی ہیں سرفروش بھی ہیں دیوانے بھی ہیں، اللہ کے وہ بندے بھی اس قوم میں رہے ہیں جو اسلام کے نمائندہ ہیں بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ عمرو بن العاص کی فوج کے باقی ماندہ لوگ، صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والے، قرآن کریم کو زندہ رکھنے والے لوگ مصر میں ہر دور میں رہے ہیں، لیکن مجموعی طور پر مصری قوم بیمار قوم ہے، مصری قوم ہر ڈکٹیٹر ہر فرعون ہر طاغوت کی پوجا کرتی ہے، اور یہ بات عمرو العاص نے کہی تھی کہ عبید لمن غلبت کے یہ غلام رہیں یہ غلام ہیں اس کے جو غالب آجائے، جس کے ہاتھ میں طاقت ہو اس کی ماننے لگتے ہیں، قرآن پاک میں فرعون کے بارے میں کہا گیا تھا، فاستخف قومه فاطاعوه اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا بے حیثیت قرار دیا اور قوم نے اس کی اطاعت کی، جس قوم نے فرعون کی اطاعت کی تھی اس نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جب جب کوئی نیا فرعون آئے تو اس کی اطاعت کرے اس کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال لے۔

یہ افسوس ناک صورت حال ہے، مصر کی تاریخ کا یہ وہ بدنما داغ ہے جو کبھی دھل نہیں پا رہا ہے اور ہر ہر دور میں مصر کی غلامی کا یہ سیاہ چہرہ داغوں کے ساتھ دھبوں کے ساتھ چیچک کے داغوں کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے، یہی مصر کی سرزمین ہے جس پر ۱۹۴۹ء میں وقت کے مجدد اور داعی حضرت حسن البناء کو شہید کیا گیا، یہی مصر کی سرزمین ہے جس پر سید قطب جیسے مفسر و داعی مبلغ اور ادیب کو شہید کیا گیا، یہی مصر کی سرزمین ہے جس پر عبدالقادر عودہ کو شہید کیا گیا، اور کتنوں کا نام لیں گے آپ ان میں ایسے مجاہد و سرفروش تھے کہ جن کو جیلوں میں ٹھونسا گیا اور دسیوں سال ان کو جیلوں میں بند کیا گیا اور ان پر مظالم کے اس سلسلہ کو جاری رکھا گیا اور ٹارچر کے وہ طریقہ اختیار کئے گئے کہ انسانی دنیا میں کبھی تصور میں بھی نہیں آسکتے ہیں، اور ان وحشیوں نے ان انسانی تہذیب کی دھجیاں اڑانے والے مجرموں نے وہاں کی پولس نے وہاں کی فوج کے عناصر نے جیلوں میں جو مظالم کئے ہیں اور آج کر رہے ہیں، آپ کو معلوم ہے جو رپورٹیں آرہی ہیں، حد ہے کہ جامعۃ الازہر کے طلباء اور طالبات کی بڑی تعداد کو پولس نے گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس کر ان کو ہر اعتبار سے ٹارچر کیا ہے، ان کو ہراساں کیا ہے یہاں تک کہ جنسی طور سے ٹارچر کرنے کی خبریں آج دنیا بھر کی میڈیا میں آرہی ہیں، یہ ایک وہ تصویر ہے جو موجودہ مصر کی حکومت اور یہودیوں کے ایجنٹوں کی حکومت کی ہے، یہ خبیث حکمرانوں کی حکومت ہے، اس حکومت کی پولیس کمینہ ترین پولیس ہے، اس حکومت کی فوج امریکہ کے چھیچھڑوں پر پلنے والی اور یہودیوں کی جوتیوں کو چاٹنے والی حکومت ہے،

ایک مجرم فوج ہے جس کے بڑے عناصر اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ اقلیت میں ان کی تعداد ہے جو ایمان والے ہیں، اس کے وہ عناصر بھی جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے، مرسی صاحب کے بوڈی گارڈ میں جو چھ سو افراد تھے کئی مرحلہ میں ان کی گرفتاری عمل میں آئی، پانچ سو کو جیل میں ٹھونس دیا گیا اور سو کو ادھر ادھر کر دیا گیا، یہ واقعہ پیش آیا، مرسی صاحب اخوان المسلمون کے نمائندہ تھے۔ اور مرسی صاحب ایک داعی اسلام اور ایمان کے علمبردار ایک صالح حکومت کے نمائندہ ایک ایسے صدر جمہور یہ جنہوں نے ایک طویل عرصہ کے بعد مصر کے سلسلہ کو اسلام سے اور اللہ کی شریعت سے مربوط کرنے کی کوشش کی تھی، ان کا جرم یہ تھا کہ ان کا اسلام سے تعلق ہے۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ اللہ کی شریعت کے نفاذ کے بارے میں سوچ رہے ہیں ان کا جرم یہ تھا کہ وہ اسرائیل کے خلاف حماس کے مددگار ہیں، ان کا جرم یہ تھا کہ وہ مصر کے مسخ شدہ حلیہ کو نہلا دھلا کر پاک صاف کرنا چاہتے ہیں، ابھی یہ کام شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ یہودیوں کے ایجنٹوں نے دھوکہ کی تمام کاروائیوں کو اختیار کرتے ہوئے دجل اور مکر وفریب کے ہر حلیہ کو اپناتے ہوئے مجرم سیسی نے وزارت دفاع کا عہدہ حاصل کیا، ظاہر ہے کہ آنکھوں میں دھول جھونکی، دھوکہ دیا، یہ جھوٹا انسان کبھی تسبیح پڑھتا ہوا اور کبھی اپنے حفظ کا تذکرہ کرتا ہو، اور کبھی نمازوں کے گٹے دکھاتا ہوا یہ وقت کا دجال اس حیثیت سے سامنے آیا کرتا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ انسان کو دھوکہ لگا۔ اور اس کو وزیر دفاع بنا دیا گیا۔ یہ پوری پلاننگ کا ایک حصہ تھا اور یہ پلاننگ پہلے سے طے شدہ تھی اس کے بعد جو کہانی ہے روز روز کی اور گھنٹہ گھنٹہ کی اور منٹ منٹ کی پوری دنیا نے دیکھی، پوری دنیا نے ڈرامہ دیکھا جھوٹ کا مکر کا فریب کا دجل وشیطنیت کا ظلم کا استحصال کا پوری دنیا نے امریکہ کا دفاع دیکھا پوری دنیا نے اسرائیل میں خوشیوں کے چراغ جلتے دیکھے پوری دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ حرمین کا خادم شاہ عبداللہ جس کو نسبت حرمین کی حاصل تھی، جس کا کام یہ تھا کہ وہ مرسی کے حق میں سپر ہو جاتا، دنیا نے دیکھا کہ خادم الحرمین اسرائیل کی جوتیاں چاٹ رہا ہے، دنیا نے دیکھا کہ وہ بھی ظالموں کی صف میں کھڑا ہوا سیسی یہودی نواز کا مددگار بنا بیٹھا ہے، دنیا نے منظر دیکھا آن آن دیکھا لحہ لحہ دیکھا، دنیا نے فیس بک پر دیکھا، ٹوئٹر پر دیکھا، یوٹوب میں دیکھا، پرنٹ میڈیا میں دیکھا، الکٹرانک میڈیا میں دیکھا، دنیا اس منظر کو دیکھتی رہی کہ شیخ الازہر کس طرح چند ٹکوں میں اور عہدوں میں بکتا ہے اور اپنی حیثیت کو کس طرح مجروح کر کے کس طرح قبطیوں کے پوپ کے ساتھ اور یہودی نواز سیسی کے ساتھ، اور اسی کے ساتھ اس مکار فریبی کے ماہر اور اس دوغلہ مجرم مفتی کو دیکھا جس کو مفتی علی جمعہ کہا جاتا ہے، دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ جبہ اور عمامہ والے اور داڑھی والے منافق سلطان کے درباری علماء دنیا اپنی حاصل کرنے کے لئے آخرت بیچنے والے اور شریعت کو فروخت کر کے اس دنیائے فانی کو حاصل کرنے والے، وہاں کا شیخ الازہر وہاں کا مفتی علی جمعہ وہاں کے جھوٹے مکار سلفی حزب النور کے نمائندہ جو ہر وقت سنت اور سیرت کی بات کرنے والے، دنیا نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ یہ سارے مجرم ہیں، ایک ظالم ایک طاغوت یہودیوں کے ایک ایجنٹ شریعت کے دشمن اللہ اور دین کے دشمن کی مدد کے لئے تیار ہیں، اور ایک اس فرد کے خلاف کھڑے ہو رہے ہیں جو شریعت کی سربلندی چاہتا ہے، جو اسرائیل کے دانت کھٹے کر دینا چاہتا ہے، جو عالم اسلام کی برتری چاہتا ہے، اس کے خلاف فضا بنائی جا رہی ہے، منصوبے

تیار ہو رہے ہیں اور پیسوں کی ریل پیل کی جارہی ہے، امارات کی حکومتوں اور منافقانہ رجواڑوں کی طرف سے اور سعودی عرب کی منحرف گمراہ بکی ہوئی امریکہ کے جوتوں سے لپٹی ہوئی حکومت نے اس وقت جو عمل کیا ہے پوری دنیا میں اسلامی ممالک بدنام ہوگئے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی دکھایا، اللہ دکھانا چاہتا ہے کہ نظام الٰہی ہے الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم یفتنون لقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، ہم ایمان والے ہیں یہ کہ چھوڑ دئے جائیں گے، تپایا نہیں جائے گا، سلگایا نہیں جائے گا آزمائشوں کی بھٹیوں میں ڈالا نہیں جائے گا، اللہ فرماتا ہے کہ ڈالا جائے گا، ہم دکھا دیں گے لوگوں کے سامنے جھوٹے کون ہیں منافق کون ہیں دوغلے کون ہیں، مخلص کون ہیں، اسلام کے فرمانبردار کون ہیں، یہ اللہ کو دکھانا تھا، آج بھی مصر کی جیلوں میں جو علماء ہیں جو ائمہ ہیں جو خطباء ہیں جو دین کے داعی اور مبلغ ہیں بیسیوں ہزار کی تعداد میں جو پورے مصر سے جیلوں میں ٹھونس ٹھونس کر ڈالے گئے ہیں، یہ اسلام کے مخلص اسلام کے وفادار ایمان کے علمبردار اللہ کے بندے نبی کے امتی پوری امت اسلامیہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے والے حضرات ہیں اور ان کے سر پر جناب محمد مرسی صاحب ایک چمکتے ہیرے کی طرح پیشانی کے نور کی طرح اور آسمان کے ستارے کی طرح چمک رہے ہیں اور دمک رہے ہیں اور باقی ازہر کا شیخ ازہر کے پروفیسرس، لیکچررز اساتذہ اور اسی طرح بہت سے جھوٹے مکار مفتی عالم امام وخطیب منبر پر چڑھ کر سیسی کی دہائی دے رہے ہیں اسرائیل کی خوشیوں کا سامان کر رہے ہیں، اسرائیل میں گھی کے چراغ جلائے جا رہے ہیں وزیروں کے لئے سب سے بڑا خوشی کا حصہ جب محمد مرسی کو ہٹایا گیا اس کے بعد کسی حکومت نے جزیرہ نمائے سینا کے بے گناہوں پر بم باری کر کے محلّہ کے محلّہ ختم کر دئے اور بے شمار انسانوں کے چیتھڑے اڑا دئے جسم جھلسا کے رکھ دئے اور محلّہ محلّہ میں گھس کر پولس والوں نے ایمان والوں کو گرفتار کیا داڑھی والوں کو پکڑا، ان کی داڑھی نوچی گئی، ان کو ذلیل کیا گیا، یہ عمل ہے جو چل رہا ہے ظاہر ہے ہونا یہ چاہتے تھا کہ پوری دنیا میں مصر کے سفارتخانوں کا گھیراؤ کیا جاتا، ہونا یہ چاہتے تھا کہ پوری دنیا کے مسلمان مل جل کے ان پالیسیوں کے خلاف ہر طاقت و قوت وصلاحیت ومیڈیا کا استعمال کرتے، بہرحال بنگلور کے مسلمان اپنی غیرت وحمیت کا اظہار اس اجلاس کے ذریعہ کر رہے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ آج اکثریت کے اندر فہم بھی نہیں ہے، لوگوں کو صحیح طور پر تیار نہیں کیا گیا ورنہ یہاں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہونی چاہیے تھی، یہاں ظالموں طاغوتوں کے خلاف آواز اٹھانی ہے، اگر یہ بات ہر شخص کو صحیح طور پر معلوم ہوتی اور صحیح تربیت وذہن سازی ہوتی تو تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی، رسمی جلسوں میں، قوالیوں میں، تفریحوں میں، میلاد ناموں میں بھیڑ لگتی ہے لیکن حساس مسئلہ ایمان کی آزمائش کا مسئلہ ہے اور بنگلور کے چند لوگ یہاں نظر آرہے ہیں ہونا یہ چاہئے تھا کہ پورا شہر ٹوٹ پڑتا۔

مصر کی عدالتوں نے جو فیصلہ کئے ہیں، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مصر کی عدالت کی کرسیوں پر اکثر ملحد خبیث الفطرت مسخ شدہ شیطان کے ایجنٹ اور ابلیس کی اولاد بیٹھی ہوئی ہے۔

جن ججوں نے مرسی کے خلاف اور دیگر ایمان داروں کے خلاف فیصلہ کئے ہیں خدا کی قسم وہ کسی چھوٹے سے اسکول میں

استاد ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے، یہ مجرموں کا ٹولہ ہے جس نے عدالتوں پر قبضہ کیا، اور وہ پولس کمینہ ناپاک گندی پولس ہے جو آئے دن کاروائی کر رہی ہے جس نے عدالتوں پر قبضہ کیا جہاں تک تعلق ہے پورے عالم عربی کی فوج کا تو سامراج کے دور کے بعد امریکہ اور یورپ کے چیتھڑوں پر پلنے والی مجرموں کی فوج اور دشمنوں کی ایجنٹ رہی ہے، ترکی کا یہی حال رہا، یہی حال عراق کا اور سیریا کا رہا، یمن کا، رہا، لیبیا کا رہا یہی حال تمام ملکوں کا ہے اور اس وقت جو جنگ چل رہی ہے یمن سیریا اور عراق میں علماء نے پیش قدمی کی تھی اور لڑائی سامراج سے لڑی تھی کہیں فرنگی سامراج سے کہیں اٹیلین سامراج سے کہیں ہولینڈ کے سامراج سے ایک دور وہ تھا کہ ان سے براہِ راست جنگ ہو رہی تھی اب گھر کے گھس بیٹھیے آستین کے سانپ اندر چھپے ہوئے بچھو اور زہریلے ناگ اور دشمنوں کے ایجنٹ جو ہمارے ملکوں میں بشار کی شکل میں کہیں صدام جو ختم ہو گئے کہیں بن علی کی شکل میں کہیں قذافی کی شکل میں کہیں عبداللہ علی صالح کی شکل میں یہ دشمنوں کے ایجنٹ یہ آستین کے سانپ یہ وقت کے منافق لوگ ہیں جن کی فوج منافق، جن کا انتظامیہ منافق، ان سے عوام کو جنگ لڑنی پڑ رہی ہے، اور اللہ کی طرف سے دو ہزار گیارہ سے یہ عمل شروع ہوا ہے، یہ جنگ کتنی طویل ہوگی، معلوم نہیں، اس ملک ہندوستان پر ۱۸۰۳ میں انگریزوں نے قبضہ کیا، دلی میں جھنڈے لہرائے تو شاہ عبدالعزیز نے اعلان کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہو گیا ہے اور تحریکیں جہاد کی اٹھیں۔ لیکن ۱۸۵۷ء تک پہونچتے پہونچتے تحریکوں نے دم توڑ دیا اور انگریزوں کا غلبہ ہو گیا اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ تک نوے سال کی طویل جنگ لڑی گئی ہزار ہا لوگ جیلوں میں گئے، کوئی مالٹا بھیجا گیا کوئی انڈومان بھیجا گیا، اور بے شمار علماء شہید کیے گئے تب جا کر ۱۹۴۷ء میں آزادی ملی تھی، یہ صورت حال لیبیا میں فرانس سے آزادی اور انگریزوں سے آزادی کی رہی، ابھی جو جنگ چل رہی ہے بہت سے لوگ اسے فتنہ کہہ کر گذر جاتے ہیں، بہت سے لوگ خانہ جنگی کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں یہ سرسری مطالعہ کرنے والے ناواقف لوگ ہیں، یہ جنگ اندر کے منافقوں سے، دشمنوں کے ایجنٹوں سے، یہ جنگ سامراج کے باقی ماندہ حصہ سے ہو رہی ہے، اور یہ جنگ کتنی طویل چلے گی نہیں کہا جا سکتا، لیکن بہر حال جس دن یہ جنگ ختم ہوگی اسی دن خلافت اسلامیہ کا سورج دو بارہ طلوع ہوگا، اسی دن اسلام کا غلبہ ہوگا، اسی دن اللہ کی نصرت سامنے آئیگی، کون کون اس میں شہید ہوگا، پانچ لاکھ شام میں شہید ہو چکے ہزاروں مصر میں شہید ہو چکے تیونس میں ہو چکے لیبیا میں شہادت کی گرم بازاری ہے یمن میں روز شہادت کا خون تازہ تازہ بہہ رہا ہے، یہ صورت حال ان ملکوں میں چل رہی ہے، ٹھہراؤ کب ہوگا، جھنڈا کب لہرائے گا کب حضور کی پیشین گوئی پوری ہوگی کہ آخری دور میں پھر خلافت اسلامیہ قائم ہوگی یہ حضور پاک کی پیشن گوئی ہے اسے ظاہر ہونا ہے ہم نہیں جانتے کب ہوگی ایک سال بعد ہوگی یا دس سال بعد ہوگی لیکن یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ایسا ہوگا، دنیا کروٹیں لے رہی ہے۔ اگر مرسی کو شہید ہونا ہے تو ہو جائیں گے، لیکن ان کو شہید کرنے سے کوئی اسلام کو فتح نہیں کر لے گا، اور مصر یہودیوں کے ہاتھوں میں نہیں چلا جائے گا، بلکہ وہ آگ لگے گی وہ شعلے بھڑکیں گے، وہ بھٹیاں دہکیں گی، کہ پورا عالم عربی جھلس جائے گا، اور یہ آگ بجھے گی نہیں جب تک کہ فتح مکمل نہ ہو جائے۔

☆☆☆

صدائے احتجاج

# مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

سائنسی اعتبار سے ہر اس شخص کو زندہ کہا جاتا ہے جس کے تنفّسی اعضاء کام کرتے رہتے ہیں اور جس کے یہاں سانس کی آمد وشد کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ ایک اردو کے شاعر پنڈت برج نرائین چکبست کے الفاظ میں زندگی عناصر میں ظہور ترتیب کا نام ہے اور موت ان عناصر کے پریشاں ہونے کا نام ہے ۔ میڈیکل سائنس میں زندہ انسان وہ ہے جس کے دل اور دماغ مسلسل کام کرتے رہتے ہیں لیکن اخلاقی کردار کے اعتبار سے زندہ انسان کسی اور شخصیت کا نام ہے ، ایسی شخصیت کا نام ہے جسکے اندر کچھ صفات اور کچھ خوبیاں موجود ہوتی ہیں ۔ یہ صفات اگر نہیں ہیں تو پھر وہ زندہ انسان نہیں ہے ، زندہ انسان اعلی انسانی قدروں کا حامل ہوتا ہے ، اسی لئے انسانوں کی بھیڑ میں زندہ انسان بہت کم نظر آتے ہیں ۔انسانی شکل وصورت کا انبوہ ہر طرف امنڈتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقی طور پر زندہ انسان بہت مشکلوں سے بہت زمانہ کے بعد کہیں اتفاق سے نظر آجاتا ہے ، یہ وہ زندہ انسان ہوتا ہے جو کسی اعلی قدر اور بڑے مقصد کے لئے جان کی بازی لگا سکتا ہے وہ زندہ شخصیت کا مالک ہوتا ہے وہ اپنی جان دینے کے باوجود زندہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ جو اللہ کے راستہ میں جان دیتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اور اللہ کے یہاں انہیں رزق کی نعمت دی جاتی ہے اور یہی مطلب ہے اس فارسی شعر کا

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ ٔ عالم دوام ما

مولانا جلال الدین رومی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے دیکھا کے ایک پیر فرتوت جس کے سارے بال سفید تھے اور کمر خمیدہ تھی چراغ لے کر اندھیرے میں سنسان راستوں میں کچھ تلاش کر رہے ہیں انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا تلاش کر رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے انسان کی تلاش ہے ۔ جلال الدین رومی فارسی زبان کے شاعر تھے اردو کے شاعر غالب نے بھی اسی حقیقت کا اظہار اپنے شعر میں کیا ہے

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

جس طرح آسمان سے موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور بارش کے قطروں میں کوئی ایک قطرہ موتی بنتا ہے اور جس طرح زمین کے کان سے کوئی ہیرا بہت مشکل سے برآمد ہوتا ہے اسی طرح سے انسانوں کے ہجوم میں زندہ انسان مشکل سے ملتا ہے ۔ زندہ شخصیت وہ شخصیت ہے جس کے اندر شعور، حسن عمل، ہمت، جذبہ اور استقامت اور ارادہ کی مضبوطی موجود ہوتی ہے ، وہ جان دے سکتا ہے لیکن اعلی قدروں سے

دستبردار نہیں ہوسکتا ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں لگا سکتا ہے اسے کوئی خرید نہیں سکتا ہے۔ اگر یہ صفات موجود ہیں تو آپ کی شخصیت ایک زندہ شخصیت ہے اور اگر یہ صفات موجود نہیں ہیں تو آپ کی شخصیت زندہ شخصیت نہیں ہے آپ ایک مردہ انسان ہیں۔ دنیا کے اندر اسلام کے حق میں کسی بڑی تبدیلی کے لئے زندہ شخصیتوں کا وجود ضروری ہے اسلام کے حق میں حالات کی تبدیلی اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک مسلمانوں میں ضروری صفات نہ پیدا ہوجائیں ان میں زندہ شخصیتیں نہ ابھر آئیں، ایسی شخصیتیں جو دردناک حالات سے متاثر ہوتی ہوں اور ان پر اپنا ردعمل ظاہر کرتی ہوں۔ ایک بے جان انسان پر موسم کی تبدیلی کا یا کسی حرکت اور تغیر کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے اگر کوئی بڑے سے بڑا واقعہ پیش آجائے مسلمانوں کے لئے کوئی قیامت کھڑی ہوجائے تو بے جان لاشہ کھڑا نہیں ہوسکتا ہے اس لاشہ کو کھڑا کرنیکے لئے نفخ صور کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایک زندہ انسان وہ ہے جو ہر افسوسناک واقعہ کا اثر قبول کرتا ہے اور وہ واقعہ اسے متحرک بنا دیتا ہے۔ اگر انسان ایسے خارجی حالات سے متاثر نہیں ہوتا ہے جو اسلام کی عظمت اور اقتدار کو اور شریعت کی اہمیت کو نگاہوں میں ختم کرتے ہیں اور اسلام کے بارے میں پورے مفہوم کو بدلتے ہیں اور اگر سیال سونے کی ہوس اسے ایسے نازک موقعہ پر خاموش کردیتی ہے تو اس کا مطلب یہ کہ وہ زندہ انسان نہیں ہے وہ ایک مردہ انسان ہے اور مردہ انسان کوئی انقلاب برپا نہیں کرسکتا ہے۔ افسوسناک حالات سے متاثر اور مضطرب ہونے والا دل موجود ہے تو انسان ایک زندہ انسان ہے شاعر نے کہا ہے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

خارجی حالات کی کوئی تبدیلی اندرون کی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہے اندرونی تبدیلی یہ ہے انسان شدید طور پر حساس ہوجائے، دنیا میں کوئی واقعہ جس کی ضرب اسلام پر پڑتی ہو اسے بے چین کردے ۔۔ زمین کے اندر روئیدگی کی صلاحیت ہو تو آسمان کی بارش زمین میں گل بوٹے کھلاتی ہے زمین کو سبزہ زار بناتی ہے اور سبز انقلاب لاتی ہے اور اگر روئیدگی کی صلاحیت نہ ہو تو زمین بنجر رہ جاتی ہے اور بارش بے فیض ہوجاتی ہے۔ کسی بیرونی تبدیلی کے لئے پہلے اپنے اندرون کو بدلنا پڑتا ہے۔ نقطہ نظر درست کرنا پڑتا ہے دین کے بارے میں حساس بننا پڑتا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہیں آتا تھا لیکن اگر دین کے بارے میں کوئی استخفاف ہو اور اسلام پر زد پڑے تو آپ غضبناک ہوجاتے تھے۔ اس وقت صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ مسلم ملک میں جمہوریت کا قتل ہورہا ہے اور آزادی اظہار پر پہرے بٹھادئے گئے ہیں احتجاج کی آزادی سلب کرلی گئی ہے مظاہرہ کرنے والوں کو گرفتار کیا جارہا ہے اسلام پسندوں کو جو اسلامیت کا عالمی نشان ہیں اور احیاء اسلام کے علم بردار ہیں جن کا مقصد دین کی سربلندی ہے جن کی دینی خدمات کا رکارڈ ہے، پھانسیاں دی جارہی ہیں یہ عرب دنیا کا ایسا دہشتناک اور شرمناک ظلم ہے جس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہوسکتا ہے، جس پر زمین اور آسمان سوگوار ہے، لیکن ہمارے علماء اور قائدین کی پیشانی پر ناراضی کی کوئی شکن نظر نہیں آتی ہے سعودی عرب کی هيئة كبار العلماء خاموش ہے ان کے علماء کو لوگ اب علماء سوء کہنے لگے ہیں، کیونکہ یہ لوگ حکومت کے اشارہ چشم اور جنبش ابرو کو دیکھ کر فتوے صادر کرتے ہیں۔ سعودی حکومت حسنی مبارک کی حامی وطرف دار تھی اس لئے حسنی مبارک کے خلاف شورش میں یہ علماء انقلاب کو غیر اسلامی قرار دے رہے تھے لیکن یہی علماء معمر القذافی اور بشار الاسد کے خلاف بغاوت میں حکمرانوں کے طرفدار نہیں تھے کیونکہ سعودی حکومت (بجا طور پر) عوام کے ساتھ تھی۔ حکومت اور حاکم کے خلاف بغاوت درست ہے یا نہیں اس پر علماء کے اختلافات ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہاں

صرف اتنا ذکر کرنا ہے کہ دین اور اہل دین پر ظلم ہو اور پھر ضمیر اس کی چبھن محسوس نہ کرے دینی جماعت کی منتخب اور دستوری حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور دل میں کوئی اضطراب نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی حمیت اور غیرت سب رخصت ہو چکی ہے یہ بہت افسوسناک صورحال ہے یہ مردہ اور بے ضمیر انسانوں کی پہچان ہے یہ بے ضمیری ہندوستان میں بہت عام ہے۔اس کی بڑی وجہ خلیجی ملکوں سے مالی اور مادی مفادات کی وابستگی ہے اور ان خلیجی ملکوں نے مصر میں ظالموں کا اور اسلام دشمن طاقتوں کا ساتھ دیا ہے اور اس سے بھی بڑا ان کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے اسرائیل کے ساتھ خفیہ روابط قائم کر کھے ہیں، اب یہ روابط سربستہ راز نہیں رہے۔کیا ان خلیجی ملکوں کے فرمارواؤں سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مسجد اقصی کو واگذار کرا سکتے ہیں اور فلسطینیوں کو انصاف دلا سکتے ہیں ، یہ تو اسرائیل سے جہاد کرنے والی جماعت حماس کو بھی دہشت گرد قرار دیتے ہیں، جو لوگ صلیبیوں اور صہیونیوں سے مربوط ہوں مسلمانوں کا ان سے کیوں ربط ہو، کیوں نہیں ان کی حکومتوں کا بھی اسی طرح تختہ الٹ دیا جائے جس طرح تیونس مصر لیبیا اور یمن کے حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا گیا تھا،لیکن ہم ابھی اس کی دعوت نہیں دیتے ہیں یہ کام اکثر قدرت خود کر لیتی ہے۔شام اور عراق کے حکمرانوں کے مظالم پر روک لگانے کے لئے قدرت نے کچھ وحشیوں کو کھڑا کر دیا ہے۔ان وحشیوں کی کوئی حمایت نہیں کرتا ہے لیکن یہ سب خدائی انتظامات ہیں یہ قدرت کی تدبیریں اور تعزیریں ہیں۔ ”حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں“ آج تک عراق کی حکومت ان سے نپٹ نہیں سکی ہے۔خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز سے ابھی اچھی توقعات وابستہ ہیں انہوں نے برسر اقتدار آتے ہی کئی اچھے کام کئے ہیں، انہوں نے ہم سب کے دلوں میں امید کی شمع روشن کر دی ہے۔یمن میں بھی ایران کی توسیع پسندی کی پالیسی پر روک لگانے کے لئے اور وہاں کے منتخب آئینی صدر عبدربہ منصور ہادی کی مدد کے لئے سعودی عرب کا اقدام درست ہے۔لیکن سعودی عرب کے لئے اس سوال کا جواب دینا بے حد مشکل ہے کہ اس نے مصر میں منتخب آئینی صدر کی مخالفت کیوں کی تھی اور عبد الفتاح جیسے غاصب اور آمر کا کیوں ساتھ دیا تھا، موجودہ خادم الحرمین پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت اقتدار میں نہیں تھے۔اب وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ سعودی حکومت کی غلطی کو درست کریں ۔ امید ہے اخوان کی قیادت کو دار ورسن سے بچانے میں وہ اپنا رول ادا کریں گے کیونکہ سعودی حکومت نے مصر کی اتنی بڑی مالی مدد کی ہے کہ مصر کا سر احسان کے بوجھ سے سعودی حکومت کے سامنے جھکا ہوا ہے اور اس وجہ سے صرف سعودی عرب اس پوزیشن میں ہے کہ مصر پر دباو ڈالے اور اس کے سر پر غرور کو جھکائے۔اخوان کے ممتاز لوگوں کو مصر میں جمال عبد الناصر نے بھی تختہ دار پر چڑھایا تھا او راس وقت مصر میں فرعونی تہذیب کا کلمہ پڑھا جارہا تھا چوراستوں پر فرعون کے مجسمے نصب کئے جارہے تھے،اس وقت سعودی عرب کی پالیسی اخوان کی حمایت کی تھی بہت سے اخوانیوں نے سعودی عرب میں پناہ لی تھی،لیکن اس بار سعودی حکومت نے کچھ اپنے اندیشہ ہائے دور دراز کے تحت اور کچھ امریکہ کے اشارہ پر غلط اور تکلیف دہ رول اختیار کیا ہے اور مصر میں پہلی بار منتخب حکومت کو گرانے کی سازش میں شریک ہوگئی ہے۔اگر اس بار اخوان کی قیادت کو پھانسی دی گئی تو قتل نامہ کے محضر پر گویا ان خلیجی ریاستوں کی دستخط بھی ثبت ہوگی جنہوں نے عبد الفتاح سیسی جیسے سفاک قاتل اور مجرم کی مدد کی ہے۔ترکی اور قطر نے مصری عدالت کے فیصلوں کی مذمت کی ہے لیکن اس میں فیصلہ کن رول خادم الحرمین سلمان بن عبد العزیز کا ہوگا۔اس وقت پورا عالم اسلام اپنی سانس روکے ہوئے خادم الحرمین کے رول کا منتظر ہے۔

سینہ میں دل زندہ کے موجود ہونے کی نشانیاں حالات سے متاثر ہونا ہے،اگر آپ دوسروں کی خوشی سے خوشی محسوس کرتے ہیں اور اگر

انسانی برادری میں امن وآمان اور اطمنان دیکھ کر راحت محسوس کرتے ہیں عالم اسلام میں اسلامی شریعت اگر کہیں نافذ ہوتو اسے دیکھ کر اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اگر نافذ نہ ہوتو بے چین ہوتے ہیں تو آپ زندہ انسان ہیں۔ کسی ملک میں اسلام کو اقتدار سے ہٹانا اور ہٹانے کی سازش میں کسی مذہبی ملک کا شامل ہوجانا اور پھر غاصب اور جابر طاقت کے لئے ایک مذہبی ملک کی طرف سے مالی مدد کا اجراء کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں، اس پر راضی ہو جانے سے دین وشریعت کے بارے میں ذہن کا سانچہ تبدیل ہوتا ہے اور لوگوں پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ مسجد میں اگر نماز کی اجازت ہے تو بس کافی ہے شریعت کے قوانین کا نفاذ ضروری نہیں یہ ایک طرح کی تصوراتی اور نظریاتی تحریف دین ہے جس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے، اصل دین اور خلافت علی منہاج النبوۃ کا خیال بھی پردہ ذہن کے پیچھے مستور ہوتا جارہا ہے۔ دین وشریعت کی قیمت پر خطہ میں استحکام کی فریب نظر منطق عام ہوتی جارہی ہے، مذہب کو ایک پرایویٹ چیز سمجھا جارہا ہے، تاریخ میں بے شمار مجدد دین اسی لئے تو آتے رہے تھے کہ دین کے بارے میں غلط تصور کو درست کیا جائے۔ یہ بھی دین کے بارے میں غلط تصور ہے کہ کوئی بھی شخص اقتدار پر قابض ہوجائے اگر وہ نماز روزہ کی اجازت دیتا ہے تو بس یہ کافی ہے۔ اگر دین بس اسی کا نام ہے تو حضرت حسین سے لے کر سید احمد شہید تک سب کا جہاد غلط قرار پائے گا، اب اگر مسلم قائدین اور علماء کسی ملک کی ناراضی کے ڈر سے اور مالی شہ رگ کے کٹ جانے کے خوف سے غلط فلسفہ پر راضی ہوتے ہیں اور خاموش رہ جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر زندہ شخصیت کا فقدان ہے، ان میں حوصلہ مندی اور عالی ہمتی نہیں ہے ان میں حق بات کہنے کی جرأت نہیں ہے۔ اور وہ روحانی اور فکری افلاس کا شکار ہیں اور وہ بالکل مردہ ہو چکے ہیں، کیونکہ زندہ شخصیت کی ایک بڑی پہچان حق گوئی اور بیباکی ہوتی ہے، ان کے اندر وہ استغنا پایا جاتا ہے جو ضمیر کو زندہ رکھتا ہے اور جس کا توکل اللہ پر ہوتا ہے اور جو یہ کہہ سکتا ہے۔

نہیں ہیں غم جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

اگر آپ دوسروں کے غم سے مغموم ہوتے ہیں اور اگر دنیا میں اپنے بھائیوں پر ظلم دیکھ کر اور ظالم حکومتوں کی طرف سے دین کے خدمت گذاروں کو موت کی سزا دینے پر اور ان ظالم حکومتوں کی مسلم ملکوں اور مسلم بادشاہوں کو مدد کرتا ہوا دیکھ کر اور اپنے گرد وپیش میں یا کسی ملک میں ظلم کے سبب سے مسلمانوں کو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ ان ستم رسیدہ انسانوں کو کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے آپ بے چین ہوجاتے ہیں، آپ کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے، پھر آپ کو اپنا کھانا پینا بھی اچھا نہیں لگتا ہے پھر آپ مظلوم کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اس کے لئے سرمایہ بھی خرچ کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو آپ ایک زندہ انسان ہیں، زندہ انسان ایک باشعور انسان ہوتا ہے زندہ انسان کے اندر جذبہ کی حرارت ہوتی ہے وہ انقلاب کے لئے بیتاب اور مثل ماہی بے آب ہوتا ہے انسانوں پر ظلم دیکھ کر اسے اپنا کھانا پینا اچھا نہیں لگتا ہے اگر یہ خصوصیات کسی انسان کے اندر موجود ہیں تو وہ زندہ اور شاہین صفت انسان ہے اور اگر یہ خصوصیات موجود نہیں ہیں اور دنیا میں مسلمانوں پر کچھ بھی گذر رہی ہو اسے کوئی مطلب نہ ہو تو وہ انسان ہوتے ہوئے بھی پتھر ہے اور خاک رہگذر ہے مردہ انسان ہے، جس سے کسی خیر کی توقع نہیں، حالات کی تبدیلی میں وہ کوئی مثبت رول نہیں ادا کرسکتا ہے۔ کم سے کم ظلم سے اپنے تنفر کا اظہار کرنا اور ظالم کے خلاف بیان دینا اور رائے عامہ کو ظالم کے خلاف ہموار کرنا بھی زندہ ضمیر کی اور زندہ شخصیت کی علامت ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہئے ہماری ملت میں ایسی زندہ شخصیتیں اب کتنی رہ گئی ہیں۔ ☆☆☆

فریضۂ زکوٰۃ

# زکوٰۃ کیسے ادا کریں

مفتی محمد تقی عثمانی (پاکستان)

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا ایک نصاب مقرر کیا ہے کہ اس نصاب سے کم اگر کوئی شخص مالک ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اگر اس نصاب کا مالک ہوگا تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ وہ نصاب یہ ہے: ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا زیور، یا سامان تجارت وغیرہ جس شخص کے پاس یہ مال اتنی مقدار میں ہو تو اس کو ''صاحب نصاب'' کہا جاتا ہے۔ پھر اس نصاب پر ایک سال گزرنا چاہئے، یعنی ایک سال تک کوئی شخص صاحب نصاب رہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس بارے میں اکثر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ہر روپے پر مستقل پورا سال گزرے، تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ بلکہ جب ایک مرتبہ سال کے شروع میں ایک شخص صاحب نصاب بن جائے۔

**تاریخ زکوٰۃ میں جو رقم ہو اس پر زکوٰۃ ہے** :۔ مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص کے پاس یکم رمضان کو ایک لاکھ روپیہ تھا اگلے سال یکم رمضان سے دو دن پہلے پچاس ہزار روپے اس کے پاس اور آ گئے اور اس کے نتیجے میں یکم رمضان کو اس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپے ہو گئے، اب اس ڈیڑھ لاکھ روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگئی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں پچاس ہزار روپے تو صرف دو دن پہلے آئے ہیں اور اس پر ایک سال نہیں گزرا، لہذا اس پر زکوٰۃ نہ ہونی چاہئے۔ یہ درست نہیں بلکہ زکوٰۃ نکالنے کی جو تاریخ ہے اور جس تاریخ کو آپ صاحب نصاب بنے ہیں اس تاریخ میں جتنا آپ کے پاس موجود ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، چاہے یہ رقم پچھلے سال یکم رمضان کی رقم سے زیادہ ہو یا کم ہو مثلاً ایک لاکھ روپے تھے، اب ڈیڑھ لاکھ ہیں تو ڈیڑھ لاکھ پر زکوٰۃ ادا کرو، اور اگر اس سال پچاس ہزار روپے رہ گئے، تو اب پچاس ہزار پر زکوٰۃ ادا کرو، درمیان سال میں جو رقم خرچ ہوگئی، اس کا کوئی حساب کتاب نہیں اور اس خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حساب کی الجھن سے بچانے کے لئے یہ آسان طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ درمیان سال میں جو کچھ تم نے کھایا پیا اور وہ رقم تمہارے پاس سے چلی گئی تو اس کا کوئی حساب کتاب کرنے کی ضروت نہیں۔ اسی طرح درمیان سال میں جو رقم آ گئی اس کا الگ سے حساب رکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کس تاریخ میں آئی اور کب اس پر سال پورا ہوگا؟ بلکہ

زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ میں جو رقم تمہارے پاس ہے، اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ سال گزرنے کا یہ مطلب ہے۔

**اموال زکوٰۃ کون کون سے ہیں:۔** یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے کہ اس نے ہر ہر چیز پر زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی، ورنہ مال کی تو بہت ساری قسمیں ہیں۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے وہ یہ ہیں (۱) نقد روپیہ، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں چاہے وہ نوٹ ہوں یا سکّے ہوں۔ (۲) سونا چاندی، چاہے وہ زیور کی شکل میں ہوں۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ خواتین کا استعمالی زیور ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ استعمالی زیور پر بھی زکوٰۃ واجب ہے البتہ صرف سونے چاندی کے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر سونے چاندی کے علاوہ اور دھات کا زیور ہے، چاہے پلاٹینم ہی کیوں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اسیطرح ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ نہیں جب تک تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں۔

**سامان تجارت کی قیمت کا طریقہ :۔** دوسری چیز جس پر زکوٰۃ فرض ہے ''سامان تجارت'' مثلاً کسی کی دکان میں جو سامان برائے فروخت رکھا ہوا ہے، اس سارے اسٹاک پر زکوٰۃ واجب ہے، البتہ اسٹاک کی قیمت لگاتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہے کہ آدمی زکوٰۃ نکالتے وقت یہ حساب لگائے کہ اگر میں پورا اسٹاک اکھٹا فروخت کروں تو بازار میں اس کی قیمت کیا لگے گی۔ دیکھئے ایک ''ریٹیل پرائس'' ہوتی ہے اور دوسری ''ہول سیل پرائس'' تیسری صورت یہ ہے کہ پورا اسٹاک اکھٹا فروخت کرنے کی صورت میں کیا قیمت لگے گی، لہذا دکان کے اندر جو مال ہے اس کی زکوٰۃ کا حساب لگایا جارہا ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ تیسری قسم کی قیمت لگائی جائے۔ وہ قیمت نکال کر پھر اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ عام ''ہول سیل قیمت'' سے حساب لگا کر اس پر زکوٰۃ ادا کردی جائے۔

**مال تجارت میں کیا کیا داخل ہے :۔** اس کے علاوہ مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو، لہذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا یا زمین خریدی یا کوئی مکان خریدا یا گاڑی اور اس مقصد سے خریدی کہ اس کو بیچکر نفع کماؤں گا تو یہ سب چیزیں مال تجارت میں داخل ہیں، لہذا اگر کوئی پلاٹ، کوئی زمین کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ اس کو فروخت کروں گا تو اسکی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ''انویسٹمنٹ'' کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کردوں گا اور فروخت کرکے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنالیں گے، یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھادیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کریں گے، کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید کر ڈال دیا ہے، اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کرائے پر چڑھادیں گے اور یہ بھی ہے کہ فروخت کردیں گے تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لہذا زکوٰۃ صرف

اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب خریدتے وقت ہی اس کو دوبارہ فروخت کرنے کی نیت ہو، یہاں تک کہ اگر پلاٹ خریدتے وقت شروع میں یہ نیت تھی کہ اس پر مکان بنا کر رہائش اختیار کریں گے، بعد میں ارادہ بدل گیا اور یوں ارادہ کر لیا کہ اب اس کو فروخت کر کے پیسے حاصل کر لیں گے تو محض نیت اور ارادہ کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا جب تک آپ اس پلاٹ کو واقعۃً فروخت نہیں کر دیں گے اور اس کے پیسے نہیں آ جائینگے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بہرحال، ہر وہ چیز جسے خریدتے وقت ہی اس کو فروخت کرنے کی نیت ہو، وہ مال تجارت ہے۔ اور اس کی مالیت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مالیت اس دن کی معتبر ہوگی جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کر رہے ہیں مثلاً ایک پلاٹ آپنے ایک لاکھ روپے میں خریدا تھا اور آج اس پلاٹ کی قیمت دس لاکھ ہوگئی، اب دس لاکھ پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائیگی، ایک لاکھ پر نہیں نکالی جائیگی۔

**کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم** :۔ اسی طرح کمپنیوں کے ''شیئرز'' بھی سامان تجارت میں داخل ہیں۔ اور انکی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز اس مقصد کے لئے خریدے ہیں کہ اس کے ذریعہ کمپنی کا منافع (dividend) حاصل کریں گے اور اس پر ہمیں سالانہ منافع کمپنی کی طرف سے ملتا رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز ''کیپٹیل گین'' کے لئے خریدے ہیں۔ یعنی نیت یہ ہے کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کی فروخت کر کے نفع کمائیں گے۔ اگر یہ دوسری صورت ہے یعنی شیئرز خریدتے وقت شروع ہی میں ان کو فروخت کرنے کی نیت تھی تو اس صورت میں پورے شیئرز کی بازاری پوری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً آپ نے پچاس روپے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کریں گے، اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپے ہوگئی تو اب ساٹھ روپے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

لیکن اگر پہلی صورت ہے یعنی آپ نے کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدے کہ کمپنی کی طرف سے اس سالانہ منافع ملتا رہیگا اور اور فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ یہ دیکھیں کہ جس کمپنی کے یہ شیئرز ہیں اس کمپنی کے کتنے اثاثے جامد ہیں مثلاً بلڈنگ، مشینری، کاریں وغیرہ اور کتنے اثاثے نقد، سامان تجارت اور خام مال کی شکل میں ہیں، یہ معلومات کمپنی ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں، مثلاً فرض کریں کہ کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے نقد سامان تجارت، خام مال اور تیار مال کی صورت میں ہیں اور چالیس فیصد اثاثے بلڈنگ مشینری اور کار وغیرہ کی صورت میں ہیں تو اس صورت میں آپ ان شیئرز کی بازاری قیمت لگا کر اس کی ساٹھ فیصد قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں، مثلاً شیئرز کی بازاری قیمت ساٹھ روپے تھی اور کمپنی کے ساٹھ فیصد اثاثے قابل زکوٰۃ تھے اور چالیس فیصد اثاثے ناقابل زکوٰۃ ہے تو اس صورت میں آپ اس

شیئرز کی پوری قیمت یعنی ساٹھ روپے کے بجائے =/۳۶ روپے پرزکوٰۃ ادا کریں۔اور اگر کمپنی کے اثاثوں کی تفصیل معلوم نہ ہوسکے تو اس صورت میں احتیاطاً ان شیئرز کی پوری بازاری قیمت پرزکوٰۃ ادا کردی جائے،شیئرز کے علاوہ اور جتنے فائینانشل انسٹرومنٹس ہیں۔ چاہے وہ بونڈز ہوں یا سرٹیفکٹس ہوں، یہ سب نقد کے حکم میں ہیں، ان کی اصل قیمت پرزکوٰۃ واجب ہے۔

**کارخانہ کی کن اشیاء پر زکوٰۃ ھے** :۔اگر کوئی شخص فیکٹری کا مالک ہے تو اس کی فیکٹری میں جو تیارشدہ مال ہے اس کی قیمت پرزکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح تیاری کے مختلف مراحل میں ہے یا خام مال کی شکل میں ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، البتہ فیکٹری کی مشینری ، بلڈنگ، گاڑیوں وغیرہ پرزکوٰۃ واجب نہیں۔

اس طرح اگر کسی شخص نے کاروبار میں شرکت کے لئے روپیہ لگایا ہوا ہے، اور اس کاروبار کا کوئی متناسب حصّہ اس کی ملکیت ہے تو جتنا حصّہ اس کی ملکیت ہے اس حصّے کی بازاری قیمت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی، بہرحال، خلاصہ یہ ہے کہ نقد روپیہ جس میں بینک بیلنس اور فائینانشل انسٹرومنٹس بھی داخل ہیں، ان پرزکوٰۃ واجب ہے، اور سامان تجارت جس میں تیار مال، خام مال، اور جو مال تیاری کے مراحل میں ہیں وہ سب سامان تجارت میں داخل ہیں، اور کمپنی کے شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں، اسکے علاوہ ہر چیز جو آدمی نے فروخت کرنے کی غرض سے خریدی ہو وہ بھی سامان تجارت میں داخل ہے، زکوٰۃ نکالتے وقت ان سب کی مجموعی مالیت نکالیں اور اس پرزکوٰۃ ادا کریں۔

**واجب الوصول قرضوں پر زکوٰۃ** :۔ ان کے علاوہ بہت سی رقمیں وہ ہوتی ہیں جو دوسروں سے واجب الوصول ہوتی ہیں۔مثلاً دوسروں کو قرض دے رکھا ہے، یا مثلاً مال ادھار فروخت کررکھا ہے اس کی قیمت ابھی وصول ہونی ہے، تو جب آپ زکوٰۃ کا حساب لگائیں، اور اپنی مجموعی مالیت نکالیں تو بہتر یہ ہے کہ ان قرضوں کو اور واجب الوصول رقموں کو آپ اپنی مجموعی مالیت میں شامل کر لیں۔اگر چہ شرعی حکم یہ ہے کہ جو قرضے ابھی وصول نہیں ہوئے تو جب تک وہ وصول نہ ہوجائیں اس وقت تک شرعاً ان پرزکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، لیکن جب وصول ہوجائیں تو جتنے سال گزر چکے ہیں ان تمام پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی ۔مثلاً فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دے رکھا تھا۔ اور پانچ سال کے بعد وہ قرضہ آپ کو واپس ملا، تو اگر چہ اس ایک لاکھ روپے پر ان پانچ سالوں کے دوران تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں تھی ، لیکن جب وہ ایک لاکھ روپے وصول ہوگئے تو اب گذشتہ پانچ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔تو چونکہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ یک مشت ادا کرنے میں بعض اوقات دشواری ہوتی ہے۔لہذا بہتر یہ ہے کہ ہر سال اس قرض کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کردی جایا کرے۔ لہذا جب زکوٰۃ کا حساب لگائیں تو ان قرضوں کو بھی مجموعی مالیت میں شامل کرلیا کریں۔

**قرضوں کی منہائی**:۔ پھر دوسری طرف یہ دیکھیں کہ آپ کے ذمے دوسرے لوگوں کے کتنے قرضے ہیں۔اور پھر مجموعی مالیت میں سے ان قرضوں کو منہا کردیں، منہا کرنے

کے بعد جو باقی بچے وہ قابل زکوٰۃ رقم ہے۔اس کا پھر ڈھائی فیصد نکال کر زکوٰۃ کی نیت سے ادا کر دیں۔بہتر یہ ہے کہ جو رقم زکوٰۃ کی بنے اتنی رقم الگ نکال کر محفوظ کر لیں۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کو مستحقین میں خرچ کرتے رہیں۔بہر حال زکوٰۃ کا حساب لگانے کا یہ طریقہ ہے۔قرضوں کی دو قسمیں ہیں:۔ قرضوں کے سلسلے میں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ کہ قرضوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو معمولی قرض ہیں جنکو انسان اپنی ذاتی ضروریات اور ہنگامی ضروریات کیلئے مجبوراً لیتا ہے۔

دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو بڑے بڑے سرمایہ دار پیداواری اغراض کے لئے لیتے ہیں۔مثلاً فیکٹریاں لگانے، یا مشینریاں خریدنے یا مال تجارت امپورٹ کرنے کے لئے قرضے لیتے ہیں۔ یا مثلاً ایک سرمایہ دار کے پاس پہلے سے دو فیکٹریاں موجود ہیں۔لیکن اس نے بینک سے قرض لے کر تیسری فیکٹری لگا لی۔ اب اگر اس دوسری قسم کے قرضوں کو مجموعی مالیت سے منہا کیا جائے، تو نہ صرف یہ کہ ان سرمایہ داروں پر ایک پیسے کی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ لوگ الٹے مستحق زکوٰۃ بن جائیں گے، اس لئے کہ ان کے پاس جتنی مالیت کا مال موجود ہے، اس سے زیادہ مالیت کے قرضے بینک سے لے رکھے ہیں، وہ بظاہر فقیر اور مسکین نظر آ رہا ہے۔لہذا ان قرضوں کے منہا کرنے میں بھی شریعت نے فرق رکھا ہے۔

**تجارتی قرضے کب منہا کئے جائیں:۔** اس میں تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کے قرضے تو مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے۔اور ان کو منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔اور دوسری قسم کے قرضوں میں یوں تفصیل ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی غرض سے قرض لیا۔اور اس قرض کو ایسی اشیاء خریدنے میں استعمال کیا جو قابل زکوٰۃ ہیں مثلاً اس قرض سے خام مال خرید لیا، یا مال تجارت خرید لیا، تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا کریں گے۔لیکن اگر اس قرض کو ایسے اثاثے خریدنے میں استعمال کیا جو نا قابل زکوٰۃ ہیں تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا نہیں کریں گے، مثلاً ایک شخص نے بینک سے ایک کروڑ روپے قرض لئے اور اس رقم سے اس نے ایک پلانٹ (مشینری) باہر سے امپورٹ کر لیا۔ چونکہ یہ پلانٹ قابل زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے کہ یہ مشینری ہے تو اس صورت میں یہ قرضہ منہا نہیں ہوگا۔لیکن اگر اس نے اس قرض سے خام مال خرید لیا تو چونکہ خام مال قابل زکوٰۃ ہے اس لئے یہ قرض منہا کیا جائے گا کیونکہ دوسری طرف یہ خام مال ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی مجموعی مالیت میں پہلے سے شامل ہو چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نارمل قسم کے قرض تو پورے مجموعی مالیت سے منہا ہو جائیں گے۔اور جو قرضے پیداواری اغراض کے لئے لیے گئے ہیں اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے نا قابل زکوٰۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا نہیں ہوگا اور اگر قابل زکوٰۃ اثاثے خریدے ہیں تو وہ قرض منہا ہوگا۔ یہ تو زکوٰۃ نکالنے کے بارے میں احکام تھے۔

**زکوٰۃ مستحق کو ادا کریں:۔** بعض لوگ زکوٰۃ نکالتے تو ہیں لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتے صحیح مصرف پر خرچ ہو رہی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ نکال کر کسی کے حوالے کر دی اور اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ صحیح مصرف پر خرچ کریگا یا نہیں؟ آج بے شمار ادارے دنیا میں کام کر رہے ہیں، ان میں بہت

سے ادارے ایسے بھی ہوں گے جن میں بسا اوقات اس بات کا لحاظ نہیں ہوتا ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف پر خرچ ہورہی ہے یا نہیں؟ اس لئے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ یعنی جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔

**مستحق کون؟**:۔ اس کے لئے شریعت نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ زکوٰۃ صرف انہیں اشخاص کو دی جاسکتی ہے جو صاحب نصاب نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو بھی وہ مستحق زکوٰۃ نہیں رہتا۔ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو۔

**مستحق کو مالک بنا کر دیں**:۔ اس میں بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دو یعنی وہ مستحق زکوٰۃ اپنی ملکیت میں خود مختار ہو کر جو چاہے کرے۔ اسی وجہ سے کسی بلڈنگ کی تعمیر پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہوں پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔ اس لئے کہ اگر زکوٰۃ کے ذریعہ تعمیرات کرنے اور ادارے قائم کرنے کی اجازت دے دیجاتی تو زکوٰۃ کی رقم سب لوگ کھا پی کر ختم کر جاتے، کیونکہ اداروں کے اندر تنخواہیں بے شمار ہوتی ہیں، تعمیرات پر خرچ لاکھوں کا ہوتا ہے، اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ غیر صاحب نصاب کو مالک بنا کر زکوٰۃ دو، یہ زکوٰۃ فقراء اور غرباء اور کمزوروں کا حق ہے! لہذا یہ زکوٰۃ انہی تک پہنچنی چاہئے۔ جب ان کو مالک بنا کر دو گے تو تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

**کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے**:۔ یہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم انسان کے اندر یہ طلب اور جستجو خود بخود پیدا کرتا ہے کہ میرے پاس زکوٰۃ کے اتنے پیسے موجود ہیں، ان کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ہے۔ اس لئے وہ مستحقین کو تلاش کرتا ہے اور ان کی فہرست بناتا ہے، پھر ان کو زکوٰۃ پہنچاتا ہے یہ بھی انسان کی ذمہ داری ہے۔ آپکے محلے میں، ملنے جلنے والوں میں، عزیز و اقارب اور رشتہ داروں میں دوست و احباب میں جو مستحق زکوٰۃ ہوں، انکو ادا کریں اور ان میں سے سب سے افضل یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ ادا کریں۔ اس میں ڈبل ثواب ہے زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ہے اور صلہ رحمی کا ثواب بھی ہے۔ اور تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ صرف دو رشتے ایسے ہیں جنکو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے، ایک ولادت کا رشتہ ہے۔ لہذا باپ بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیٹا باپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، دوسرا نکاح کا رشتہ ہے لہذا شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ ان کے علاوہ باقی تمام رشتوں میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً بھائی کو، بہن کو، چچا کو، خالہ کو، پھوپھی کو، ماموں کو، زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھ لیں کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور صاحب نصاب نہ ہوں۔

**بیوہ اور یتیم کو زکوٰۃ دینے کا حکم**:۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی خاتون بیوہ ہے تو اس کو زکوٰۃ ضرور دینی چاہئے۔ حالانکہ یہاں بھی شرط ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو اور صاحب نصاب نہ ہو۔ اگر بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اسکی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر ایک

خاتون بیوہ ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو محض بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوٰۃ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح یتیم کو زکوٰۃ دینا اور اس کی مدد کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن دیکھ کر زکوٰۃ دینی چاہیے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟ لیکن اگر کوئی یتیم ہے مگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ صاحب نصاب ہے تو یتیم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ ان احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ نکالنی چاہیئے۔

**زکوٰۃ کی تاریخ کیا ہونی چاھئے** ؟:۔ ایک بات یہ سمجھ لیں کہ زکوٰۃ کے لئے شرعاً کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے اور نہ کوئی زمانہ مقرر ہے کہ اس زمانے میں یا اس تاریخ میں زکوٰۃ ادا کیجائے بلکہ ہر آدمی کی زکوٰۃ کی تاریخ جدا ہو جاتی ہے شرعاً زکوٰۃ کی اصل تاریخ وہ ہے جس تاریخ اور جس دن آدمی پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا، مثلاً ایک شخص یکم محرم الحرام کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنا تو اس کی زکوٰۃ کی تاریخ یکم محرم الحرام ہوگی اب آئندہ ہر سال اس کو یکم محرم الحرام کو زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہیئے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم کس تاریخ کو پہلی مرتبہ صاحب نصاب بنے تھے، اس لئے اس مجبوری کی وجہ سے وہ اپنے لئے کوئی ایسی تاریخ زکوٰۃ کے حساب کی مقرر کرلے جس میں اس کے لئے حساب لگانا آسان ہو، پھر آئندہ ہر سال اسی تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے، البتہ احتیاطاً کچھ زیادہ ادا کردیں۔

**کیا رمضان المبارک کی تاریخ مقرر کر سکتے ھیں**:۔ عام طور پر لوگ رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رمضان المبارک میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ لہذا زکوٰۃ بھی چونکہ فرض ہے اگر رمضان المبارک میں ادا کریں تو اس کا ثواب بھی ستر گنا ملے گا، بات اپنی جگہ بالکل درست ہے اور یہ جذبہ بہت اچھا ہے، لیکن اگر کسی شخص کو اپنے صاحب نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو محض اس ثواب کی وجہ سے وہ شخص رمضان المبارک کی تاریخ مقرر نہیں کرسکتا، لہذا اس کو چاہیئے کہ اسی تاریخ پر اپنی زکوٰۃ کا حساب کرے۔ البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ کرسکتا ہے کہ اگر تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ ادا کررہا ہے تو اس طرح ادا کرتا رہے اور باقی جو بچے اس کو رمضان المبارک میں ادا کردے۔ البتہ اگر تاریخ یاد نہیں ہے تو پھر گنجائش ہے کہ رمضان المبارک کی کوئی تاریخ مقرر کرلے البتہ احتیاطاً زیادہ ادا کرے تاکہ اگر تاریخ کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے جو فرق ہوگیا ہو وہ فرق بھی پورا ہوجائے۔

پھر جب ایک مرتبہ جو تاریخ مقرر کرلے تو پھر ہر سال اسی تاریخ کو اپنا حساب لگائے اور یہ دیکھے کہ اس تاریخ میں میرے کیا کیا اثاثے موجود ہیں، اس تاریخ میں نقد رقم کتنی ہے، اگر سونا موجود ہے تو اسی تاریخ کی سونے کی قیمت لگائے اگر شیئرز ہیں تو اسی تاریخ کی قیمت لگائے، اگر اسٹاک کی قیمت لگانی ہے تو اسی تاریخ کی اسٹاک کی قیمت لگائے اور پھر ہر سال اسی تاریخ کو حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، اس تاریخ سے آگے پیچھے نہیں کرنا چاہئے۔ بہرحال، زکوٰۃ کے بارے میں یہ تھوڑی سی تفصیل عرض کردی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

زکوۃ

# صدقۂ فطر۔ مسائل اور اسرار و حکم

محمد اجمل ندوی

ہجرت نبوی کے تقریباً ۱۸ ماہ بعد رمضان ۲ھ کے پر کیف و پر بہار، انوار و برکات پر مشتمل ماحول میں عید الفطر کے دو روز قبل حضور ﷺ ممبر پر خطبہ کیلئے تشریف فرما ہوتے ہیں، صحابہ کرام روزہ کی برکت سے باطنی کدورتوں سے دور، قوت ملکیہ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ، خشوع و خضوع سے متصف حضور ﷺ کی باتوں کو سننے کیلئے گوش بر آواز ہیں، اور ہر ایک زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ذہن کے دریچوں میں محفوظ اور دل کے نہا خانوں میں اثر لینے کیلئے بالکل مستعد و چاق و چوبند ہے گویا انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور حضور ﷺ کے رعب و دبدبہ سے زبانیں گنگ ہیں دفعۃً آپ لب کشا ہوتے ہیں اور رمضان کے خیر و برکات کے بجائے صدقۂ فطر کے احکام صادر ہوتے ہیں جو من جانب اللہ ہیں ارشاد خداوندی ہے **و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا و حی یوحی** (النجم) آپ خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ بھی آپ پر ہونے والی ایک وحی غیر متلو ہے حضور فرماتے ہیں ہر دو افراد کیطرف سے آزاد ہوں یا غلام، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا صدقۂ فطر کی مقدار میں ایک صاع (ساڑھے تین کلو) کھجور یا کشمش اور 2.50 صاع (پونے دو کلو) گیہوں ہے، مالدار اور صاحب ثروت کو اس صدقۂ سے تو اللہ تعالیٰ تزکیہ نفس کرتا ہے، کوتاہیوں و باطنی آلائیشوں سے پاک کرتا ہے۔ اور محتاج و غریب کو صدقہ کی برکت سے اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہے جتنا کہ اس نے صدقہ کیا ہے۔ اور بقول حبر الأمہ حضرت عبد اللہ بن عبّاس کہ حضورؐ نے صدقۂ فطر اس لئے لازم کیا ہے تا کہ روزہ بیہودہ باتوں، ہر قسم کے لغو کاموں سے پاک ہو جائے۔ اور تا کہ مسکینوں کو کھانا میسّر آ جائے۔ اور یہی صحابیٔ عظیم، مفسر جلیل سنّت رسول کی پیروی میں برسر منبر علی رؤس الخلائق رمضان کے اخیر عشرہ اور حضرت علی کے دور خلافت میں بصرہ کے گورنر کی حیثیت سے خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں اپنے روزے کی زکوٰۃ نکالو خود اپنی طرف سے اور زیر کفالت افراد کی طرف سے بھی یہ صدقہ ایک صاع کھجور یا جو یا نصف (۱/۲) صاع گیہوں ہے جسکو حضور ﷺ نے (احناف کی تحقیق کے مطابق) واجب اور (مسلک شافعی کے مطابق) فرض کیا ہے (یہ تینوں روایتیں بحوالہ مشکوٰۃ ابوداؤد کی ہیں) اور یہ اختلاف لفظی اور ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ حکم کے ظنی الثبوت اور منکر حکم کے کافر نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

ایک صاع کھجور یا کشمش کی مقدار کیا ہی مناسب مقدار ہے جو پورے گھر کی آسودگی اور ایک ضرورتمند کی ضرورت سے بے نیازی کیلئے کافی ہے اور ایک متوسط انسان کو اس قدر خرچ کرنے میں بار بھی نہیں اور رہی بات نصف صاع گیہوں کی جو گرچہ عہد حاضر میں ارزاں ہے لیکن دور صحابہ میں بیش قیمت اور ان میں اہل ثروت و صاحب تنعم حضرات کا یہ مخصوص کھانا تھا اور دستر خوان کی زینت ہوتا تھا اور فقراء اس سے محروم ہوتے تھے، حضرت قتادہ بن نعمان اور حضرت زید بن ارقم کی یہی وضاحت ہے جسکو امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں نقل کیا اور شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر کیا ہے۔

عید الفطر کے وقت کے ساتھ صدقۂ فطر کی تعیین میں جیسا کہ اس کا تسمیہ ہے خاص حکمت ہے وہ یہ کہ روزہ داروں کا روزہ تمام

قسم کے نقص سے پاک اور کامل ہوکر بارگاہ ایزدی میں مژدہ قبولیت وثواب حاصل کرے بالکل اسی طرح جس طرح فرائض کے بعد نفل نماز تقرب الی اللہ کا وسیلہ اور فرائض کی کوتاہیوں کا کفارہ ہے(حجۃ اللہ) اور یہ عیدالفطر کی تخصیص کیوں نہ ہو کیا ایک حاجتمند ومفلس شخص دربدر گداگری کررہا ہو، اور ایک بیوہ عورت کے گھر میں جلتا ہوا توا نہ ہو، چھوٹے یتیم بچے دست شفقت کیلئے ترس رہے ہوں اور عید کی خوشیوں سے محروم ہوں آپ کیلئے زیب ہے کہ آپ صدقہ فطر کی ادائیگی میں تاخیر وٹال مٹول کریں اپنے بے پناہ مسرتوں میں ان بے سہارا بچوں کو شامل نہ کریں یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ فطر اداء کر دیا کرتے تھے۔(روایت حاکم ہدایہ) ہر شخص کیلئے یہی بہتر ہے کہ اس سنّت کو اختیار کرے اور اس کی اتباع میں کمر کس لے۔

فقہ کی شہرہ آفاق کتاب فتاویٰ عالمگیری میں صدقہ فطر کے مسائل یوں مذکور ہیں کہ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان شخص پر واجب ہے بشرطیکہ ضروت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو جس میں مال کا نامی ہونا شرط نہیں، جن لوگوں پر قربانی واجب ہے ان پر صدقہ فطر بھی واجب ہے۔ لہذا اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد گھر یا بکس وصندوق میں غیر مستعمل کپڑے وسازوں سامان ہیں جنکی قیمت نصاب کی قیمت کو پہونچتی ہے تو اس پر صدقہ فطر و قربانی دونوں واجب ہے لیکن زکوۃ واجب نہیں اگر کوئی مقروض ہے تو قرض بقدر استثناء کیا جائیگا، عصر حاضر میں گیہوں نہایت ارزاں ہونے کی صورت میں نصف صاع کی قیمت بہت معمولی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے کسی غریب کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی، مالداروں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ایک صاع کھجور یا کشمش کی قیمت کے ذریعہ فطرہ کی ادائیگی کریں تاکہ وہ ''إذا وسّع الله فوسّعوا'' کا مصداق بن سکیں کہ اگر اللہ نے آپ کو وسعت وفراوانی دے رکھی ہے، تو آپ بھی فقراء کے حق میں فراخ دل اور فراخ دست ہوجائیے۔

عیدالفطر کے دن جو ضروریات ایک غریب سے متعلق ہوتی ہیں ان میں طعام ولباس کے علاوہ اور بھی بنیادی چیزیں ہیں، کیا ایسی صورت میں اور اس گرانی کے دور میں ہم نصف صاع یا پونے دو/۲ کلو گیہوں کی قیمت ۲۵ روپئے دیکر عید کے دن ہم اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاسکتے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو کیوں نہ ہم آئندہ عیدالفطر کے موقع پر ایک صاع کھجور یا کشمش یا اس کی قیمت ہی فطرہ میں ادا کریں، ہاں اگر کوئی صاحب نصاب ایسا ہے جو مجبور وپریشان حال ہے تو وہ نصف صاع گیہوں اور اس کی قیمت کے ذریعہ اپنے ذمہ سے سبکدوشی حاصل کرسکتا ہے۔

شریعت میں صدقۂ فطر کی ادائیگی چار اشیاء یا انکی قیمت کے ذریعہ ہوگی اور وہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کشمش یا کھجور ہے البتہ قیمت دینا بہتر ہے تاکہ غریب اپنی ہر ضرورت پوری کرسکے۔

عیدالفطر کی طلوع صبح صادق کو جو بھی شخص پائیگا اس پر صدقہ فطر واجب ہے، اس سے پہلے اگر کسی کی وفات ہوئی یا مالدار غریب ہوگیا یا کوئی صبح صادق کے بعد پیدا ہوا یا مشرف باسلام ہوا تو صدقہ فطر واجب نہیں۔ اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد کسی کی وفات ہوئی یا مالدار غریب ہوا یا صبح صادق سے پہلے کسیکی پیدائش ہوئی یا مشرف باسلام ہوا یا غریب مالدار ہوا تو صدقۂ فطر واجب ہے۔ اور یہ وجوب علی التراخی ہے یعنی تاعمر کبھی بھی ادائیگی معتبر ہوگی (اصول الشاشی) مستحب یہ ہے کہ عیدگاہ جانے سے قبل اداء کردے، یہ صدقہ خود اپنی طرف سے ادا کرے اور اپنے چھوٹوں بچوں کی طرف سے بھی اور اگر وہ اپنی بیوی اور بالغ لڑکوں کی طرف سے ادا کردے تو یہ اس کا ان پر احسان ہے۔

☆☆☆

# اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ اور حکمِ شریعت

محمد قمر الزماں ندوی
استاذ: مدرسہ نور الاسلام، کنڈہ پرتاپگڈھ، و جنرل سیکریٹری مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

**کیا انسانی جگر اور دیگر اعضا کا عطیہ جائز ہے ؟** جدید میڈیکل سائنس اور طبی ٹکنالوجی نے آج حیرت انگیز ترقی کر لی ہے، آج کے زمانہ میں یہ ممکن ہوگیا ہے کہ ایک مردہ آدمی کے جگر کی پیوند کاری دوسرے کے جسم میں ضرورت پڑنے پر کردی جائے جبکہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور اس کو بالکل ہی ناممکن سمجھا جاتا تھا۔

لیکن جدید میڈیکل ترقی نے اس کو ممکن بنا دیا ہے اور خود ہندوستان میں اس کے کئی کامیاب آپریشن ہو چکے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ایک زندہ انسان کا جگر دوسرے انسان کے جسم میں لگا دیا جائے کیوں کہ انسان جگر کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا، البتہ جس شخص کا انتقال ہو چکا ہو، انتقال کے فورا بعد اس کا جگر نکالا جا سکتا ہے، کیوں کہ پہلے انسان کے دل و دماغ کی موت ہوتی ہے، اس کے بعد چند گھنٹوں تک اعضاء اور خلیات میں حیات باقی رہتی ہے، اگر اس کے (حیات کے) باقی رہتے ہوئے کوئی عضو نکال لیا جائے تو وہ دوسرے کے کام آسکتا ہے تو کیا اس طرح کسی متعین مریض کو اس کی جان بچانے کے لئے یا اس عضو کو محفوظ کرنے والے کسی بھی ادارہ کو عطیہ کے طور پر دینے کی گنجائش ہے تا کہ ایک انسان کی جان بچائی جا سکے؟

ازراہ علاج انسانی جسم میں جمادات یا انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات (کے اعضاء) کی پیوند کاری کو علماء نے جائز قرار دیا ہے جن کے جواز میں کلام نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے اور علحدہ شدہ حصہ کی پیوند کاری خود اپنے جسم میں کرا سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ اس کو جائز سمجھتے ہیں کیوں کہ انسان کا خود اپنے جزء سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے۔ ولا اهانة فی استعمال جزء منه (بدائع ۱۲۲۵) اپنے جزء کے استعمال میں اس کی کوئی توہین نہیں ہے۔

مگر طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے ان کی دلیل یہ ہے کہ جسم کا جو حصہ جسم سے کٹ کر الگ ہوگیا اب اس کو دفن کرنا ضروری ہے اس کو دوبارہ استعمال میں اس کے ساتھ انحراف کرنا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں:

"فاذا انفصل استحق الدفن ككله والاعادة صرف له عن جهة الاستحقاق" اگر کوئی جزء بدن سے جدا ہو جائے تو وہ مستحق دفن ہوگیا جیسے کل بدن اور اس جزء کا دوبارہ استعمال اس کو اس کے حق سے روکنا ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں جمہور علماء نے امام ابو یوسفؒ کی رائے

کو پسند کیا ہے اوران ہی کی رائے پر فتویٰ ہے۔جس کی بنیاد پر عام امت کا تعامل یہی ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے حصہ کو کاٹ کر اپنے ہی جسم میں اس کی سرجری اور پیوند کاری کراتا ہے اوراس کو ناپسند اور ناجائز نہیں سمجھتا ہے۔

لیکن کیا ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جاسکتی ہے؟ کیا مرنے کے بعد اس شخص کی اجازت سے اس کے جگر کو نکال کر کسی متعین شخص کی جان کو بچایا جاسکتا ہے، یا کسی طبی ادارہ کو عطیہ کے طور پر دینے کی گنجائش ہے تا کہ ایک انسان کی ضرورت پڑنے پر جان بچائی جاسکے، کیا مرحوم کے ورثاء کو مرحوم کے جگر کو عطیہ کرنے کا حق ہے؟

اس سلسلے میں قدیم اور جدید علماء بلکہ عصر حاضر کے علماء کے درمیان بھی باہم اختلاف ہے۔جو حضرات اعضاء کی پیوند کاری کو ضرورتاً جائز قرار دیتے ہیں۔ان کے پیش نظر وہ فقہی قواعد ہیں جن کے مطابق ضرورت کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پائی ہیں۔مثلاالضرورات تبیح المحظورات، الضرر یزال، المشقة تجلبُ التیسیر، اذا ضاق الأمر اتسع، الحاجة تنزل منزلة الضرورة اور الحرج مدفوع شرعا وغیرہ۔اوران قواعد کی تطبیق میں قرآن مجید کی وہ آیات پیش نظر ہیں جن میں جان بچانے کے لئے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے یا حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ظاہری بات ہے کلمۂ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم وگناہ اسلام میں نہیں ہوسکتا مگر کوئی شخص زبان سے کلمۂ کفر بولنے پر ایسا مجبور کر دیا جائے کہ اگر یہ کلمۂ کفر نہ بولے تو اس کا قتل کر دیا جانا یقینی ہو تو ایس حالت میں زبان سے کلمۂ کفر بولنے کی بھی اجازت دے دی گئی ہے جب کہ دل اسلام وایمان پر جما ہوا ہو۔

قال اللہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ إلا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (سورہ نحل) جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کے کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے، بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو۔

اسی طرح جو شخص بھوک پیاس سے مر رہا ہو اس کے لئے خاص شرائط اور حدود کے اندر حرام ونجس کو استعمال کر کے جان بچا لینا نہ صرف جائز بلکہ اس پر لازم کر دیا گیا ہے، ایسی حالت میں شراب، مردار جانور اور خنزیر تک کھا کر جان بچانے کے لئے خود قرآن کا ارشاد ہے، بشرطیکہ اضطراری حالت ہو اور قدرِ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے قرآن حکیم کی آیت ذیل کا یہی مطلب ہے۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (سورۂ بقرہ) پھر جو شخص بیتاب ہوجاوے بشرطیکہ نہ طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لا ثم فإن اللہ غفور رحیم (سورہ مائدہ)

قرآن کریم کریم کی آیات مذکورہ میں جس طرح کی ضرورت اور جن شرائط کے تحت کسی حرام کو مباح قرار دیا ہے وہ خود قرآنی دلالت واشارت کی رو سے یہ ہیں:

(الف) جان بچانے کے لئے کوئی جائز صورت نہ رہے۔

(ب) ناجائز وحرام چیز کے استعمال سے جان بچ جانا یقینی ہو تو اس حالت میں حرام چیز کا استعمال جائز ہوجاتا ہے۔

قائلین کا دوسرا استدلال اس واقعہ سے ہے جو عرفجہ بن اسعد صحابیؓ کو کوفہ اور بصرہ کے درمیان جنگ کلاب میں پیش آیا تھا کہ ان کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگالی، مگر اس میں بدبو پیدا ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوا کر لگانے کا حکم دیا کیوں کہ سونا سڑتا

نہیں ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے اور محدثین نے اس روایت کو معتبر تسلیم کیا ہے۔ اس میں سونے کی ناک لگانے کا حکم ہے حالانکہ مردوں کے لئے سونے کا استعمال رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا ہے۔

حضرت عرفجہؓ کے واقعہ میں ان کے لئے سونے کی ناک لگانے کی اجازت ظاہر ہے کہ دواوعلاج کے درجہ میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں ان کو اضطراری حالت نہ تھی جس میں جان کا خطرہ ہوتا۔

قائلین دیگر دوسرے فقہی نظائر کو بھی اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

قائلین اور مجوزین اس سلسلے میں جو خامہ فرسائی کرتے ہیں اور اپنی تائید میں نیز اپنے موقف اور نظریہ کی وضاحت میں جو کچھ لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی حرمت انسانی اعضاء کی حرمت سے زیادہ صراحت کے ساتھ حدیث سے ثابت ہے۔

علامہ سمرقندیؒ نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لئے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"لو أن حاملا ماتت وفی بطنها ولد یضطرب فإن كان غالب الظن انه ولد حی وهو فی مدة یعیش غالبا فانه یشق بطنها لان فیه احیاء الادمی فترك تعظیم الادمی أهون من مباشرة سبب الموت (تحفۃ الفقہاء ۳/۳۴۳)

(ترجمہ) اگر کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو۔ اگر غالب ظن یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی بچانا ہے اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کی تعظیم وتکریم کے تقاضہ کو چھوڑ دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لئے ترک کیا جارہا ہے۔

المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بھی جو فیصلے کئے ہیں اور جو تجاویز پیش کی ہیں ان سے بھی اعضاء اور اجزاء کی پیوندکاری نیز ان کا عطیہ اور ہبہ کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز رکھا ہے۔ بلکہ عضو لینے والے کے حق میں نیک تعاون اور مصلحت قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مشروع اور قابل تعریف عمل ہے۔

**قائلین عدم جواز کے دلائل:** جن حضرات نے اعضاء کی پیوندکاری اور اعضاء واجزاء انسانی کے ہدیہ اور عطیہ سے منع فرمایا ہے انہوں نے اس کے مختلف اسباب اور وجوہات بیان کئے ہیں، مثلاً، انسان کے علحدہ شدہ اعضاء کا ناپاک ہونا، حرام ہونا، انسان کا خود اپنے جسم کا مالک نہ ہونا اور اللہ کی طرف سے وجود کا امین ہونا وغیرہ۔

قائلین عدم جواز کی نگاہ میں جو اصل علت پیش نظر ہے وہ انسانی حرمت وکرامت کا تحفظ ہے۔ اکثر فقہاء نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو اسی لئے منع کیا ہے کہ انسان متاع خرید و فروخت بن جائے یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔

صاحب مبسوط لکھتے ہیں:

وشعر الانسان والانتفاع به ای لم یجز بیعه والانتفاع به لأن الآدمی مكرم غیر مبتذل فلا یجوز أن یكون شیء اجزاء ه مهانا

مبتذلا (المبسوط ۱۰/۱۲۵)

اور انسان کے بال سے نہ انتفاع جائز ہے نہ اس کی بیع جائز ہے اس لئے کہ آدمی قابل تکریم ہے نہ کہ قابل تصرف کوئی چیز، پس جائز نہیں ہے کہ اس کے اجزاء میں سے کسی بھی جزء کو ذلیل وحقیر کیا جائے اور استعمال کیا جائے۔

اور چونکہ حرمت وکرامت اور عزت وتکریم میں زندہ ومردہ دونوں برابر ہیں اس لئے نہ زندہ انسان کے اعضاء اس مقصد کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں نہ مردہ کے۔

اس سلسلے میں سب سے واضح روایت وہ حدیث ہے کہ مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس شخص کی ہڈی توڑنا۔

اس لئے میری رائے کے مطابق قائلین عدم جواز کا موقف زیادہ قوی اور مضبوط ہے کہ شارع نے انسان کو مکرم و محترم بنایا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس کی توہین و تذلیل کو جائز نہیں رکھتا۔ مجھے ان حضرات کی آراء اور تحقیق سے سخت اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں۔

چونکہ کتاب وسنت نے تکریم واہانت کے سلسلے میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں اور اہل نظر اور اہل علم کی نظر سے یہ مخفی نہیں کہ نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہے اور جس کے بارے میں قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے انسانی عرف وعادت ہی سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔ پھر اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عرف وعادت کی بعض صورتیں زمانہ وعلاقہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں اور ایک ہی معاملہ میں علاقہ ووقت کی تبدیلی کی وجہ سے دو مختلف حکم لگائے جاتے ہیں کبھی ایک حکم کو بہتر سمجھا جاتا ہے اور کبھی اس کو قبیح ونادرست۔

تیسری چیز یہ کہ اجزاء انسانی سے انتفاع کو منع کیا گیا تھا لیکن یہ ممانعت اس لئے تھی کہ اس زمانہ میں انسانی اعضاء سے انتفاع ہو اس کی توہین تصور کیا جاتا تھا اور اس دور میں اس کو شائستہ اور مہذب عمل تصور کیا جاتا ہے، بلکہ اعضاء واجزاء کا ہدیہ اور عطیہ کرنا عین انسانیت خیال کیا جاتا ہے۔

مجوزین کی مذکورہ توضیحات اور افسانوی استدلالات اور منطقی تشریحات کا جواب اور رد خود ان حضرات مجوزین کے ذہن ودماغ میں موجود ہے بس اتنا سمجھ لیجئے کہ اگر اعضاء و اجزاء انسانی کے ہبہ اور عطیہ کی اجازت دے دی گئی اور اسے محمود اور پسندیدہ عمل باور کرادیا گیا تو آنے والے وقت میں زندہ اور مردہ انسانوں کا کیا حشر ہوگا اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور کس طرح انسانی اعضاء واجزاء بکاؤ مال ہوجائیں گے الأمان والحفیظ بلکہ شاعر کی زبان میں کہنا ہوگا ؎

نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔

بلکہ کسی انسانی میت کی خیر نہیں رہے گی اور غسل وکفن اور نماز جنازہ اور کفن دفن کے سارے قصے ہی ختم ہوجائیں گے۔ اور خدانخواستہ یہ طریق علاج رائج ہوگیا اور اسلامی شریعت کی طرف سے بھی جواز کا پہلو دکھا دیا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء واجزاء ایک بکاؤ مال کی طرح بکا کریں گے اور شرطیں سب دھری رہ جائیں گی اور وہ اپنے بچوں کی خاطر یہ قربانی اپنی رضامندی کے ساتھ دے گا۔

**اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ اور جمہور کا مسلک:** اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخدوم کائنات بنایا ہے، ان کے لئے تمام مخلوقات کو تابع بنایا ہے خود اس کے اعضاء واجزاء کا استعمال اس کی اہانت اور تخلیق کائنات کے منشاء کے خلاف ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ انسان کے اعضاء واجزاء انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت

ہیں جن میں وہ مالکانہ تصرفات نہیں کر سکے۔اس لئے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جان یا اپنے اعضاء واجزاء کو بیچے یا کسی کو ہدیہ اور ہبہ کے طور پر دے، اور نہ ان کو حق حاصل ہے کہ ان چیزوں کو اپنے اختیار سے ہلاک اور ضائع کرے۔ اسلامی شریعت کی رو سے تو خودکشی کرنا اور اپنی جان یا اعضاء رضا کارانہ طور پر یا بقیمت کسی کو دے دینا کسی طور پر جائز نہیں ہے جس پر قرآن وحدیث کی صراحت موجود ہے اور دنیا کے ہر مذہب میں تقریبا اور عام حکومتوں کے قوانین میں بھی اس کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کسی زندہ انسان کا کوئی عضو کاٹ کر دوسرے انسان میں لگا دینا اس کی رضامندی سے بھی جائز نہیں ہے۔اسی طرح کسی مردہ انسان کے کسی عضو کی کانٹ چھانٹ بھی ناجائز ہے۔ اور اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضامندی اور خود مرنے والے کی وصیت سے بھی اس کے اعضاء واجزاء کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس میں کافر ومسلم سب کا حکم یکساں ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

**آنکھ یا دیگر اعضاء کا عطیہ اور وصیت:** سچائی یہ ہے کہ جدید میڈیکل سائنس نے آج کافی ترقی کر لی ہے، آج کے زمانے میں اب یہ ممکن ہے کہ ایک انسان کے آنکھ کے قرینہ کی اگر کسی نابینا کے حلقۂ چشم میں پیوند کاری کر دی جائے تو اس نابینا کو بینائی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ پیوند کاری زندہ شخص کی آنکھ سے بھی کی جاسکتی ہے اور مرنے کے بعد بھی چند گھنٹے کے اندر مردہ شخص سے قرینہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تو کیا کوئی زندہ شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی آنکھ کا قرنیہ عطیہ کر سکتا ہے؟ ایسا کرنے میں اس شخص کی سوچ یہ ہے کہ میرا کام تو ایک آنکھ سے چل سکتا ہے اگر ہمارے دوسرے بھائی کا بھلا ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا موت کے بعد کسی شخص کا قرینہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں میں کس کی اجازت معتبر ہوگی اگر مرنے والے نے وصیت کر دی تھی تو کیا اس کی وصیت پوری کی جاسکتی ہے؟

اوپر اعضاء و اجزاء کے ہبہ اور عطیہ سے متعلق کافی تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں، مجوزین اور مانعین کے دلائل پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے اور جمہور کے موقف کی وضاحت بھی آچکی ہے لہذا جو حکم جگر کے ہبہ اور عطیہ کا ہوگا وہی حکم آنکھ کے عطیہ اور ہبہ کا ہوگا۔

جہاں اعضاء کی وصیت کرنے کی بات ہے، تو چونکہ موت کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک باقی نہیں رہتا، اس لئے اگر کوئی شخص ایسی وصیت کر جائے تو وصیت کا اعتبار نہیں اور ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی درست نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ نیز کسی شخص سے قرینہ اس کی موت کے بعد بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا اس سلسلے میں زندہ اور مردہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

اس مقصد کے لئے آج جو آئی بینک قائم ہیں جہاں لوگ رضا کارانہ آنکھوں کا عطیہ اور ہبہ کرتے ہیں تا کہ ضرورت مند شخص ضرورت پڑنے پر اس سے فائدہ اٹھا سکے ایسے بینک کو مردہ یا زندہ شخص کی آنکھوں کا عطیہ ناجائز اور حرام ہے۔

البتہ بعض جدید بلکہ روشن خیال علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں تاہم یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ کوئی مریض سامنے موجود ہو، نہ کہ متوقع مریض کے لئے، فاضل عضو سے مراد کیا ہے اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ اس کو نکالے جانے کی وجہ سے اس کی جان ہلاکت میں نہ پڑے جیسے کوئی شخص دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ اپنے بھائی کی جان بچانے کے لئے اسے دے دے۔بعض علماء اسے جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔

## اعضاء و اجزاء کے عطیہ میں کس کی اجازت معتبر ہوگی؟

اعضاءواجزاءانسانی کے عطیہ میں کس کی اجازت معتبر ہوگی یعنی اگر مردہ شخص کے جسم سے جگر یا آنکھ حاصل کرنا جائز ہو تو اس سلسلے میں کس کی اجازت معتبر ہوگی، خود اس شخص کی یا اس کے ورثہ کی یا دونوں کی؟ یعنی مردہ کی وصیت کافی ہوگی یا صرف ورثہ کا اجازت دینا کافی ہوگا یا مردہ کی وصیت کے ساتھ ساتھ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف سے بھی آمادگی ضروری ہوگی؟

اس سوال کا جواب ان لوگوں کے ذمہ اور دائرے میں ہے جو لوگ اعضاء واجزاء انسانی کے ہبہ اور عطیہ کے قائل ہیں، اس سلسلے میں میرا موقف ورجحان عدمِ جواز کے قائلین کا ہے۔ اس لئے میری نظر میں سوال نمبر ۵ اور ۶ میں اجازت سے متعلق جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ کسی کی اجازت معتبر نہ ہوگی نہ وارثوں کی نہ مردہ شخص کی وصیت ہی کا کوئی اعتبار ہوگا۔ کیوں کہ انسان کے اعضاء واجزاء یہ ساری چیزیں انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہے جن میں وہ مالکانہ تصرف کرے یا کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ ہبہ یا عطیہ کرے نہ زندہ حالت میں اور نہ مرنے کے پہلے اس کی کوئی وصیت کرے۔ جہاں تک مردہ کی وصیت کی بات ہے تو چونکہ مرنے کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک نہیں رہتا اس لئے اگر کوئی شخص ایسی وصیت کر جائے تو اس کی وصیت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اور اس کی وصیت کو اجازت سمجھنا یہ خلاف شریعت ہے۔ (نوٹ) جس طرح مرنے کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک نہیں رہتا اسیطرح وارثین کو مورث جس کا انتقال ہو چکا ہے اس کے مال کو تو شریعت کے مطابق تقسیم کرے گا لیکن اس کے جسم پر تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## دودھ بینک کا قیام اور حکم شریعت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماں کا دودھ شیر خوار کے لئے صحت بخش غذا ہے، اللہ تعالیٰ نے صحت بخش دودھ کا خزانہ ہر ماں کے سینے میں رکھا ہے، جدید طب نے بھی اس کی افادیت کو تسلیم کیا ہے، اخبارات ورسائل اور پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اس کی تشہیر کرائی جاتی ہے کہ نومولود اور شیر خوار بچے کے لئے ماں کے دودھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غذا نہیں۔ زمانہ قدیم میں عورتیں خود اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھیں اور دوسرے بچوں کو بھی دودھ پلایا کرتی تھیں اور دودھ پلانے والی عورت کو ایک متعین اجرت دی جاتی تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد شریعت اسلامی نے رضاعت کو بھی حرمت موبدہ کا سبب مانا اور اس کو ایک قانونی درجہ دیا۔ عصر حاضر میں یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کسب معاش میں لگ گئی ہیں اور ان کی مصروفیات اتنی زیادہ ہوگئی ہیں کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کی ان کو فرصت نہیں۔ ان ملکوں میں اس مسئلہ کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ وہاں دودھ بینک قائم کئے گئے ہیں۔ یہ بینک ان عورتوں کو جو اپنا دودھ فراہم کرتی ہیں معاوضہ دیتے ہیں۔ اہل یورپ کی نقالی اور تقلید میں یہ بینک ہندوستان میں بھی قائم کرنے کا پلان ہے۔ کیا شریعت اسلامی کی روشنی میں اس طرح کا بینک قائم کرنا درست ہے؟ کیا کسی عورت کا اجرت لے کر یا بلا اجرت ان بینکوں میں دودھ فراہم کرنا جائز ہوگا؟ یورپی ملکوں میں جو مسلمان آباد ہیں کیا مجبوری میں وہاں مسلمان عورتیں ان بینکوں سے دودھ لے کر یا اپنے بچوں کو پلا سکتی ہیں جبکہ اس عورت کے اندر دودھ نہ ہو؟

اس طرح کا دودھ بینک قائم کرنا شریعت کی روشنی میں حرام ہے جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں کسی عورت کا اجرت لے

کر یا بلا اجرت ان بینکوں میں دودھ فراہم کرنا ناجائز ہے، جن مسلمان عورتوں کی چھاتی میں دودھ نہ ہو ان کے لئے بھی اس دودھ کا استعمال جائز نہیں ہے، وہ حلال جانوروں مثلاً گائے اور بھینس اور بکری کے دودھ کو استعمال کرے۔ اور بچے کو وہ دودھ پلائے یا اس دودھ سے جو ڈبہ والا دودھ تیار کیا جاتا ہے اس کو استعمال کرے۔ اگر یہ بینک خالص عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوں اور صرف ان ہی کی عورتوں کا اس میں دودھ ہو تب بھی مسلمان عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہاں سے دودھ حاصل کر کے اپنے بچوں کو دودھ پلائے کیوں اس دودھ کے منفی اثرات ان بچوں پر پڑیں گے اور مستقبل میں حرمت رضاعت کے حوالے سے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں، مثلاً دودھ پینے والا بچہ جو مسلمان ہے اگر وہ بلوغ کے بعد شادی کی عمر کو پہونچ جائے اور کسی ایسی نو مسلمہ یہودی یا عیسائی لڑکی سے شادی کر لے جس نے اسی بینک کا دودھ استعمال کیا ہو اور دونوں نے جو دودھ استعمال کیا ہو وہ ایک ہی عورت کا دودھ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے بھی دودھ بینک کے قیام کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جلد ۲۱ میں ایک سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے:

"لا يجوز شرعا استحلاب الأمهات والاحتفاظ بحليبهن وتغذية طفل آخر به، لما فى ذلك من الجهالة المؤدية إلى هتك حرمات الرضاع التى يقع التحريم بها شرعا من جهة المرضعة، ومن جهة صاحب اللبن، ومن جهة الرضيع، اذ انه يجرم من الرضاع ما يحرم من النسب، وقد قال النبى ﷺ "من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه" وبناء على ذلك لا يجوز انشاء بنوك لجمع حليب النساء لإرضاعه للاطفال المحتاجين لذلك" (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء جلد ۲۱ صفحه ٤٤)

اگر کسی عورت (مسلمان عورت) کی چھاتی میں دودھ نہ ہو یا کسی شیر خوار بچے کی ماں کا حالت رضاعت ہی میں انتقال ہو گیا ہو اور اس بچہ کو دودھ پلانے والی کوئی عورت نہ ملے تو ایسی صورت میں بھی ان مِلک بینکوں سے استفادہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں مصنوعی دودھ (ڈبہ والا دودھ) استعمال کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

عبداللہ بن بازؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

س:هل جائز أن ترضع الأمم طفلها من حليب النيدو أو أى حليب مثله إذا كان حليب الأم غير كافى لتغذية الطفل؟

ج: لا مانع من ارضاع الأمم لطفلها من الحليب الصناعى ولا ينشز هذا الحليب الرضاع المحرم. (ايضا صفحه ١٩-١٨)

## کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے عورت کا چھاتی سے دودھ پلانا شرط ہے؟:

رضاعت کے ثبوت کے لئے عورت کا چھاتی سے براہ راست دودھ پلانا شرط نہیں ہے، اگر کسی عورت نے اپنا دودھ اور مصنوعی دودھ ملا کر پلا دیا یا پانی میں تحلیل کر کے پلا دیا اور دودھ کا وصف غالب رہا۔ یا عورت نے اپنا دودھ نکال کر کسی بچے کو پلا دیا ان تمام صورتوں میں رضاعت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا حکم اور فرمان مطلق ہے۔

''ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب''

ایک دوسری حدیث میں ہے۔"لا رضاع إلا ما

انشز العظم وانبت اللحم"

فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء میں ایک سوال کا جواب اس طرح ہے:

"لبن المرأة المشوب بغيره من لبن صناعي أو ماء أو نحو ذلك له حكم اللبن الخالص اذا كانت صفات اللبن باقية، لانه متى كانت الصفات ظاهرة فقد حصل شربه ويحصل منه انبات اللحم وانشاز العظم، كما يحصل من الارتفاع المباشر اللبن الخالص من الثدى، فوجب أن يساويه فى التكريم، لعموم الأدلة، كقول النبى ﷺ "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب" وقوله ﷺ "لا رضاع إلا ما انشز العظم وانبت اللحم" وتحسب الرضعة بترك الطفل الرضاعة لانتقال من ثدى إلى ثدى او تنفس، فكلما توقف حسبت رضعة واحدة وهكذا" (فتاوى اللجنة ٢١، ٤٣، ٤٢)

جمہور علماء مثلاً امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ جمہور اُحناف اور امام مالکؒ کے نزدیک رضاعت کے ثبوت کے لئے چھاتی سے دودھ پلانا شرط نہیں ہے بلکہ سعوط اور وجور کی صورت میں بھی رضاعت ثابت ہوجائے گی۔لیکن ایک دوسرا طبقہ علماء کا وہ ہے جو رضاعت کے ثبوت کے لئے عورت کا چھاتی سے دودھ پلانا شرط قرار دیتا ہے اس فکر کے حامل ابوبکر، ابوداؤد ظاہری ہیں، امام ابواللیث کا مذہب بھی غالبا یہی ہے اور عطاء خراسانی وجور کی صورت میں رضاعت کے قائل ہیں لیکن سعوط کی صورت میں ان کے نزدیک رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

صاحب مغنی علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ ان حضراتِ علماء و فقہاء کی آراء اور اختلاف کو تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

معنى السعوط أن يصب اللبن فى انفه من اناء أو غيره والوجور، أن يصب فى حلقه صبا من غير الثدى واختلاف الرواية فى التحريم بهما، فأصح الرواتين أن التحريم يثبت بذلك، كما يثبت بارضاع وهو قول الشعبى والثورى، وأصحاب الرأى، وبه قال مالك فى الوجور، والثانية لا يثبت بهما التحريم، وهو اختيار ابى بكر، ومذهب داؤد وقول عطاء الخراسانى فى السعوط، لأن هذا ليس برضاع، وانما حرم الله تعالىٰ ورسوله بالرضاع ولأنه حصل من غير ارتضاع، فاشبه ما هو دخل من جرح فى بدنه ، ولنا ما روىٰ من مسعود عن النبى ﷺ لا رضاع إلا ما انشز العظم والنبت اللحم، (رواه ابو داؤد) ولأن هذا يصل به اللبن إلى حيث يصل بالارتضاع ويحصل به من انبات اللحم وانتشاز العظم ما يحصل من الارتضاع، فيجب أن يساويه فى التحريم، والأنف سبيل لفطر الصائم فكان سبيلا للتحريم كالرضاع بالفم. (المغنى لابن قدامة جلد ١١/ صفحه ٣١٣)

**علامہ یوسف القضاوی کی رائے:**

علامہ یوسف القراضاوی اور بعض دیگر علماء کی اس سلسلے میں ایک تجویز ہے وہ یہ کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جمہور علماء کا جو مسلک ہے وہی درست اور صحیح ہے۔لیکن اگر چند شرائط کا لحاظ کرلیا جائے اور اس پر پوری طرح روبہ عمل ہولیا جائے تو دودھ بینک قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

(۱) جن عورتوں کا دودھ حاصل کیا جائے اس کو الگ محفوظ ڈبہ میں رکھا جائے اور اس میں کسی اور عورت کا دودھ نہ ملایا جائے۔

(۲)اس عورت کا مکمل ریکارڈ محفوظ کر کے رجسٹر میں اس کا اندراج کیا جائے اور اس بوتل اور شیشی اور ڈبہ میں بھی اس کو چسپاں کر دیا جائے۔ اور اس سلسلے میں پوری احتیاط برتی جائے۔ دودھ بینک میں دودھ دینے والی عورت کا مکمل نام پتہ ولدیت اور بعض تفصیلات کو پوری دیانت داری کے ساتھ لکھ لیا جائے اور جس عورت اور مرد کو وہ ڈبہ دیا جائے بچے کو دودھ پلانے کی خاطر ان کو پوری تفصیلات سے آگاہ کر دیا جائے اور حرمت کی دینی وشرعی حیثیت سے بھی ان کو آگاہ کر دیا جائے۔

(۳)دودھ بینک سے جو دودھ حاصل کیا جائے اس کو براہ راست نہ پلایا جائے بلکہ اس کو مصنوعی دودھ یا گائے بھینس اور بکری کے دودھ میں یا کھانے کی چیزوں میں اس طرح خلط ملط کر دیا جائے کہ دودھ کا وصف مغلوب ہو جائے اور دوسری چیز اس پر غالب آجائے۔

اگر ان شرائط کا لحاظ کر لیا جائے تو دودھ بینک قائم کرنا جائز ہوگا اور عورتوں کا ان بینکوں میں اپنا دودھ بطور ہبہ اور عطیہ دینا درست اور جائز ہوگا۔

لیکن جمہور علماء اس طرح کے بینک کے قیام کے مخالف ہیں، عرب اور عجم کے اکثر علماء نے عدمِ جواز کا فتوی دیا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی نے جن شرطوں کے ساتھ جواز کی اجازت دی ہے بظاہر ان شرطوں پر عمل کرنا مشکل ہی نہیں مشکل تر ہے۔ ظاہری بات ہے کہ یہود و نصاری اس بینک پر حاوی ہوں گے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ ایسی چالیں چلی جائیں کہ حرمت رضاعت کا سارا مسئلہ کھلونا بن کر رہ جائے اور اسلام کا یہ امتیاز ختم ہو کر رہ جائے۔

## مادہ منویہ بینک اور حکم شریعت:

موجودہ مغربی تہذیب کی لعنت اور گندگی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ آج یورپ میں اور اکثر مغربی ممالک میں مادہ منویہ بنک قائم کئے گئے ہیں اور اس کو جدید طبی اور میڈیکل ترقی کا نام دیا جا رہا ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ اس طرح کے بینک مشرقی ممالک میں بھی یورپ کی نقالی میں قائم ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں جن مردوں کے مادہ منویہ میں تولیدی صلاحیت کے جرثومے نہیں ہوتے ہیں ان کو یہ بنک کارگر جرثومے فراہم کرتے ہیں، اور جن عورتوں میں تولید کے لائق بیضے پیدا نہیں ہو پاتے ہیں ان کے لئے بیضے فراہم کرتے ہیں۔ اہل مغرب اس طرح کے بینک کی ضرورت کو ثابت کرنے کی وجہ اور دلیل یہ بیان کرتا ے ہیں کہ موجودہ زمانے میں بہت سی وجوہات مثلا ذہنی ڈپریشن، حصول معاش اور تلاش معاش کی شب و روز فکر، عورتوں کے ملازمتیں کرنے، ایک عمر تک صنفی لذت اٹھانے کے لئے آزاد زندگی گزارنا، طلاق کا مشکل قانون، جس کے پاداش میں مردوں پر ڈھیر ساری ذمہ داری کا آجانا وغیرہ اس کا منفی نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ مغربی لوگوں میں بانجھ پن بڑھتا جا رہا ہے اور اکثر جوڑے فطری طور پر اولاد سے بہرہ ور نہیں پاتے اس کے لئے مادہ منویہ بینک قائم کئے جاتے ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ دودھ بینک کی شناعت اور اس کی نامعقولیت سے ہزار بلکہ لاکھ گنا شناعت اور نامعقولیت اس بینک کی ہے جس کو مادہ منویہ بینک کہا جاتا ہے۔ ایمان والا اور ہر وہ شخص جو دین فطرت پر ہے اور جس کے اندر عقل سلیم ہے اور اس طرح کے بینک کے تصور ہی سے گھن کرے گا چہ جائے کہ کوئی مسلمان اس طرح کے بینک قائم کرنے کی فکر کرے یا کوئی مسلمان مرد اور عورت اس طرح کے بینک میں جا کر کسی ضرورت مند مرد یا عورت کو مادہ منویہ فروخت کرے یا بغیر

قیمت ہدیہ کرے اور عطیہ کے طور پر دے۔ یا ان بینکوں سے قیمۃ یا ہدیۃ جرثومے اور بیضے خرید یے۔

یہ مسئلہ خالصۃ اہل مغرب کا ہے اہل ایمان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ انسان کو بغیر ماں باپ کے یا صرف باپ یا صرف ماں کے ذریعہ پیدا فرما دے۔ اور اس کی مثال بھی موجود ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تخلیق بغیر ماں باپ کے کردی۔ اور حضرت حوا کی صرف باپ سے اور حضرت عیسیؑ کی صرف ماں سے لیکن اللہ تعالیٰ نے تولید کا فطری نظام یہ بنایا ہے کہ مرد اور عورت کے اتصال سے بچہ پیدا ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے یہ نظام بنایا کہ کسی جوڑے کو صرف ذکور سے نوازتا ہے اور کسی کو صرف اناث سے اور کسی کو ذکور و اناث دونوں کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے جبکہ بعض جوڑے کو بانجھ رکھتا ہے اور اسے اولاد سے محروم رکھتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ یہ بانجھ پن مرد اور بیوی دونوں کے اندر پایا جاتا ہے اور کبھی ان دونوں میں سے ایک کے اندر ،اب اگر مرد کے اندر بانجھ پن نہیں ہے اور اس کے اندر اولاد کے حصول کا بے پناہ جذبہ اور محبت ہے تو وہ اس کے لئے دوسرے شادی کرسکتا ہے۔ اور اگر مرد کے اندر بانجھ پن ہے اور بیوی اولاد کے لئے تڑپ رہی ہے تو شریعت نے اس کو حق دیا ہے کہ وہ اس مرد سے خلع لے لے یا قاضی کے ذریعہ سے تفریق کرالے اور عدت کے بعد دوسری شادی کرلے اور اگر اللہ کی حکمت اور مصلحت پر راضی ہوکر اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہنا چاہے تو اللہ کے یہاں ایسی عورت کا بڑا مقام ہوگا اور وہ اجر وثواب کی حق دار ہوگی۔

میری رائے میں سوال نمبر ۹ میں جو سوالات اٹھائے گئے ان سوالات کا تعلق صرف اور صرف اہل مغرب سے ہے ایک مسلمان جو ثبوت نسب کے اسلامی قانون نیز اس کی حساسیت سے واقف ہو وہ کیوں کر قصور کرسکتا ہے کہ اس طرح کے بینکوں سے کسی بھی صورت میں استفادہ کیا جائے اور اسلام کے فطری قانون کا مذاق اڑایا جائے اور خدا کی خلاقیت اور نظام فطرت سے بغاوت کی جائے۔ اس لئے میری رائے میں سوال نمبر ۹ میں جتنی بھی شقیں ہیں ان میں سے کوئی صورت اور شق جائز نہیں ہے۔ عدم جواز کے جو دلائل ہیں وہ ظاہر اور باہر ہیں انہیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

یہ ہماری کمی ہے کہ ہم نے اسلام کی ہمہ جہت دعوت سے بنی نوع انساں کو بہرہ ور نہیں کیا ہم اہل یورپ کو یہ سمجھانے میں ناکام رہے کہ اسلام کے فطری نظام کو اپنالو تمہارے سارے روحانی معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور جسمانی مسائل حل ہو جائیں گے اور جس بانجھ پن کے تم شکار ہو رہے ہو اور اس کے حل کے لئے نظام کون وفطرت سے بغاوت کر رہے ہو اس مرض کا ازالہ بھی ہو جائے گا اس لئے اسلام کا داروئے شفا اس کے لئے استعمال کرو، اور پیارے آقا مدنی کی اس بات کی تصدیق کرلو کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مرض نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج پیدا نہ کیا ہو۔

اس لئے اس مرض کا علاج جڑی بوٹیوں میں تلاش کرو اور بے ہنگم جنسی زندگی گزارنے سے پرہیز کرو، اپنی جوانی کی قدر کرو اور اسلامی شریعت کے جو مقاصد خمسہ ہیں۔ ان کو اپنے پیش نظر رکھو۔ جو اس طرح ہیں۔

(۱) دین کی حفاظت (۲) جان کی حفاظت (۳) عقل کی حفاظت (۴) نسل کی حفاظت (۵) مال کی حفاظت۔

خلاصہ بحث پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ استاذ گرامی قدر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کردوں جو بہت ہی فکر انگیز اور چشم کشا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے عقل کی صورت میں انسان کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے کہ وہ اسکے ذریعہ ستاروں کی گذرگاہوں کو تلاش کرتا ہے، لاکھوں میل اونچے سیاروں پر اپنی کمندیں ڈالتا ہے۔ سمندر کی تہوں میں غواصی کر کے لعل و گوہر نکالتا ہے، انسان اور حیوان کے جسم میں پائی جانے والی قدرت کی بے شمار نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کو کھلی آنکھوں دیکھتا اوران کو مشق تجربہ بناتا ہے، لیکن عقل ودانش اور تحقیق وجستجو کی صلاحیت ایک دودھاری تلوار ہے، اس کا صحیح استعمال جس قدر نفع بخش ہے، غلط استعمال اسی قدر مہلک اور نقصان دہ۔ نیو کلیر اور ہائیڈروجن بم اور تباہی مچانے والے انسانیت سوز میزائیل بھی آخر سائنسی ترقی ہی کا شاہکار ہیں، لیکن کیا ان ایجادات نے انسان کو کچھ بھی فائدہ پہنچایا ہے؟ اسلام تحقیق برائے تحقیق کا قائل نہیں، وہ ایسی تحقیق کو سراہتا ہے جو انسانیت کے لئے نفع رساں ہو اور ایسی تحقیق وایجاد کو منع کرتا ہے جو انسانیت کے لئے تباہی و بربادی اور خودکشی کا سامان ہو'' (جدید فقہی مسائل جلد ۵)

## خلاصہ بحث

(۱) ضرورت پڑنے پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا غیر مسلم کو بھی خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔

(۲) عام حالات میں ایسے بینکوں کو خون کا عطیہ مناسب نہیں ہے ہاں اگر ہنگامی حالات اور غیر معمولی حادثات پیش آجائیں تو اس موقع پر زخمیوں کو بچانے کے لئے بلڈ بینکوں میں خون کا عطیہ کر سکتے ہیں محض امکانی ضرورتوں کے لئے خون جمع کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) محض امکانی ضرورتوں کے لئے مسلمانوں کا رضا کارانہ بلڈ بینک قائم کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر ضرورت شدیدہ ہو تو وقت طور پر اس کے قیام کی اجازت ہوگی، ہنگامی حالات میں اس طرح کے بینک کا قائم کرنا مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہے۔

(۴) ضرورت پڑنے پر خون کا عطیہ کرنا جائز ہے اور شدید ضرورت پڑنے پر جبکہ اس شخص کے علاوہ کسی اور کا خون نہ مل رہا ہو عطیہ کرنا واجب ہوگا۔

(۵) انسانی جگر یا دیگر اعضاء کا عطیہ احقر کی نظر میں درست نہیں ہے کیوں کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے یہ اللہ کی امانت ہے۔

(۶) آنکھ کا عطیہ بھی جائز نہیں ہے خواہ زندہ شخص کرے یا زندہ شخص مرنے کے بعد اپنی آنکھ کے عطیہ کی وصیت کرے، اس کی وصیت قابل قبول نہیں ہوگی۔

(۷) اعضاء و اجزاء کے عطیہ کے سلسلے میں کسی کی اجازت معتبر نہ ہوگی، ورثہ کو بھی اس کی اجازت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مردہ کی وصیت کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۸) دودھ بینک کا قیام مسلمانوں کے لئے ازروئے شریعت جائز نہیں ہے۔ یورپی ملکوں میں اس طرح کے جو بینک قائم ہیں ان بینکوں سے مسلمانوں کا استفادہ کسی طور پر جائز نہیں ہے۔

(۹) مادہ منویہ بینک قائم کرنا، کسی مرد یا خاتون کا بینک کو اور بینک کا کسی ضرورت مند مرد یا خاتون کو مادہ منویہ کا فروخت کرنا یا بغیر قیمت کے ہدیہ کے طور پر دینا ناجائز اور حرام ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

لمحۂ فکریہ

# سارے جہاں کی فکر اپنے جہاں سے بے خبر

## (گھر واپسی آگرہ میں ایک دفعہ ہوئی، ہمارے اردگرد تو روز ہورہی ہے)

محمد الیاس ندوی بھٹکلی

اسی ہفتہ کی بات ہے، بنگلور سے ایک دیندار اعلی سطح کے سرکاری افسر جامعہ تشریف لائے، بیس سال تک انڈین آرمی میں خدمت انجام دے چکے ہیں، آج کل سینٹرل سیکوریٹی فورس میں تقرر ہوا ہے، کہنے لگے مولانا:۔ میرا بچہ جس مشنری اسکول میں پڑھتا ہے شام کو گھر واپس آنے کے بعد کئی دنوں سے مجھ سے بحث کررہا ہے کہ ہندوؤں کے ہنومان اور رام ہمارے اللہ سے زیادہ طاقتور ہیں، ان کی طاقت کے وہ عجیب وغریب محیر العقول قصے سنا کر اللہ رب العزت کی طاقت کو وہ گھٹا رہا ہے، کبھی گیتا کا کوئی واقعہ سناتا ہے تو کبھی مہابھارت اور رامائن کے اقتباسات، اسلام کی عظمت روز بروز اس کے دل سے گھٹتی جارہی ہے۔ پوچھنے لگے کہ مولانا:۔ کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا، میں نے کہا:۔ ایسی تعلیم سے جس سے الحاد آئے وہ جہالت بہتر اور اللہ کو پسند ہے جس سے ایمان باقی رہے، معیاری تعلیم کے چکر میں غیر اسلامی اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرنے کے یہ نتائج ہیں۔

گذشتہ ماہ بھٹکل سے لکھنؤ جاتے ہوئے بمبئی ایرپورٹ پر اگلے جہاز کے لیے تھکا دینے والے ۶/ گھنٹے کے طویل انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، ایک روز نامہ کے خصوصی آرٹیکل پر جب نظر پڑی تو نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، بہت دیر تک اس خبر پر یقین نہیں آیا، ہوش وحواس اڑا دینے والی اور دل دہلا دینے والی خبر یہ تھی کہ گذشتہ صرف ایک ماہ کے دوران پچاس سے زائد مسلم دوشیزاؤں نے مغربی بنگال میں محبت کی شادیوں کے خاطر آگ کے اردگرد پھیرے لگا کر رشتہ ازدواج میں بندھنے کا مظاہرہ کیا، دوسرے الفاظ میں اسلام سے نکلنے اور ہندوازم کے قبول کرنے کا اعلان تو نہیں کیا لیکن عملاً وہ اسلام سے نکل گئیں اور شرک وکفر کے دلدل میں پھنس گئیں۔

**مسلمانوں کی بے چینی فطری تھی**

**لیکن** .....:۔ دوماہ قبل آگرہ میں گھر واپسی یعنی ارتداد کے جو واقعات میڈیا کے ذریعہ امت مسلمہ تک پہنچے اس پر پورے ملک میں عام مسلمانوں کا بے چین ہونا اور خواص کا فکرمند ہونا فطری امر تھا، مسلمانوں میں مرورزمانہ کے باوجود ہزار کمزوریاں پیدا ہوں اور گناہوں کے دلدل میں بھی وہ پھنس جائیں یہ عین ممکن ہے لیکن ایمان وعقیدہ کے معاملہ میں پوری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بڑے غیرت مند اور حمیت پسند

واقع ہوئے ہیں، وہ لمحہ بھر کے لیے بھی الحاد وارتداد کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس سلسلہ میں اپنی جان کی بھی قربانی دے کر دین حنیف اور شریعت مطہرہ سے ان کی وابستگی کے ناقابل یقین مظاہر تاریخ نے دیکھے ہیں، افسوس اس بات کا ہے کہ آگرہ کے گھر واپسی کے واقعہ پر تو ملک بھر کے مسلمان بے چین وبے قرار ہو گئے لیکن مغربی بنگال کی طرح ملک کے ہر صوبہ میں تیزی سے ہونے والی اس خاموش گھر واپسی کو مسلمانوں نے ارتداد نہیں سمجھا، حالانکہ ہمیں شک ہی نہیں یقین ہے کہ آگرہ میں گھر واپسی کا واقعہ جعلی تھا اور کسی نے بھی اسلام کو خیر باد نہیں کہا تھا بلکہ اس منظر میں خود غیر مسلموں کو ہی ٹوپی پہنا کر مسلمان دکھایا گیا تھا۔

**ارتداد صرف اس کا نام نہیں** :۔ ایک سچا مسلمان اور ایمان کے بنیادی تقاضوں پر گہری نہ سہی عام سی نظر رکھنے والا مومن بھی اس کو سمجھتا ہے کہ ارتداد صرف بھرے مجمع یا سب کے سامنے آکر اسلام سے نکل جانے کے اعلان کا نام نہیں ہے، یقیناً یہ بھی ارتداد کا گھناؤنا مظہر ہے، لیکن ایک شخص ایمان کے اعلان اور اسلام کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالی کی بے پناہ قدرتوں، لامحدود اختیارات اور تصرفات کے سلسلہ میں کسی وقت تذبذب اور شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ بھی ارتداد والحاد کی ایک قسم مانی جاتی ہے، اس کو فکری ارتداد کہا جاتا ہے اور ایسے شخص کا بھی اللہ تعالی کے پاس شمار ملحدین ومرتدین میں ہی ہوتا ہے، جس طرح شرک صرف کسی مندر میں جا کر گھنٹی بجانے یا بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے یا ہاتھ جوڑنے ہی کا نام نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں خالق کائنات اور رب العالمین کی تدبیر اور تنظیم کی صفت میں بھی کسی بڑی سی بڑی ہستی یا مخلوق کو شریک سمجھنے کا نام بھی شرک ہے۔

**ہمارے آس پاس روزانہ ارتداد کے مظاہر** :۔ عہد نبوی سے آج تک الحمدللہ ارتداد کے مظاہر تو پوری اسلامی تاریخ میں نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن موجودہ زمانہ کی ترقیات اور جدید وسائل کے بے ہنگم استعمال، مغربی سامراج کی منصوبہ بند کوششوں اور نئے عالمی نظام تعلیم کے تناظر میں اسلام دشمن طاقتیں بہت بڑی تعداد میں ہمارے نونہالوں کو ذہنی اور فکری اعتبار سے غیر شعوری طور پر نظر نہ آنے والے ارتداد سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں، آج ہماری نئی نسل نماز روزہ کی تو پابند ہوتی جارہی ہے ظاہری اسلامی شکل وصورت میں بھی ترقی نظر آرہی ہے، شعائر دین سے وابستگی پچھلی نسل سے زیادہ اس نسل میں نظر آرہی ہے، لیکن دین حنیف پر خود اعتمادی، اسلام کے دین فطرت ہونے اور زندگی کے تمام چیلنجوں کا سامنا کرنے کی اس کی صلاحیت پر یقین میں روز بروز کمی ہو رہی ہے، خود ہمارے بعض مسلم دانشوروں کی زبان سے روز یہ جملے سننے کو مل رہے ہیں کہ ”نئے عالمی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے مسلمانوں کو روشن خیالی کا ثبوت دینا چاہئے“ دوسرے الفاظ میں وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں بدلتے عالمی حالات میں رحمت عالم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

مجھے کچھ ہفتے قبل ملک کے ایک بہت بڑے مسلم تعلیمی ادارے کی طرف سے ایک انٹرنیشنل سمینار کا دعوت نامہ موصول ہوا، اس میں سمینار کے مقالہ نگاروں کے لیے جو موضوعات دیئے گئے تھے اس میں ایک اہم عنوان یہ تھا ”موجودہ بدلتے عالمی حالات کے تناظر میں اسلام کی نئی تشریح وتعبیر“۔ اس کا

مطلب صاف یہ تھا کہ سمینار کے داعی اسلام کو ازکار رفتہ سمجھ رہے ہیں اوران کو اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا ابدی وآفاقی مذہب اسلام موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا،اس لیے اسلام کی ازسرنو تشریح کی ضرورت ہے بالفاظ دیگر اسلام کے قیامت تک کے لیے کافی وشافی ہونے کا وہ انکار کررہے ہیں یعنی وہ سمجھ رہے ہیں کہ قرآن کے احکام ومسائل صرف عہد نبوی تک کے لیے تھے،اب اس کی ہدایات میں حذف واضافہ کی گنجائش ہے ، (☆) ایک کمپنی میں کام کرنے والی غیر مسلم نوجوان خاتون نے اپنے ہم منصب مسلمان دوست سے پوچھا کہ اسلام میں مردوعورت کو برابر کے حقوق دیئے جانے کے دعوے کئے جاتے ہیں تو پھر مرد کی طرح عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں دیا گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اسلام کی یہ ناانصافی خود میری سمجھ سے باہر ہے، گویا وہ مسلم نوجوان غیر محسوس طریقہ پر اللہ تعالی کے حکیم وخبیر اور بصیر وعلیم ہونے کا انکار کررہا تھا اور نعوذ باللہ یہ سمجھ رہا تھا کہ خواتین کو طلاق کا حق نہ دے کر ربّ کائنات کی طرف سے ناانصافی ہوئی ہے،ایک صاحب کو بتایا گیا کہ آپ کا بچہ جس اسکول میں پڑھتا ہے وہاں ہر دن صبح کی دعائیہ محفل میں وہ نعوذ باللہ Jesus is son of God یعنی حضرت عیسی کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے، کہنے لگے وہ تو تعلیمی اور اسکولی ضرورت ہے اس طرح وقتی طور پر زبان سے یہ جملے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے،ہم دل سے کہاں اللہ کے لیے بیٹے کا تصور رکھتے ہیں؟ یعنی وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ ضرورتاً اور مذاقاً بھی نعوذ باللہ شرکیہ جملہ ادا کیا جاسکتا ہے، کالج کی تعلیم کے دوران ایک صاحب کی غیر مسلم خاتون سے آشنائی ہوئی وہ اسلام لانے پر آمادہ نہیں ہوئی،اسی حالت میں اس کی اس سے شادی ہوئی، جب بچہ ہوا تو ماں نے ہندومت کے مطابق اس کو مندر لے جانا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ بڑا ہوکر غیر مسلم ہی رہا،اس تعلق سے اس نوجوان سے اس کے دوستوں نے پوچھا،تو جواب تھا کہ اسلام میں زور زبردستی نہیں، میں کیوں اپنے بیٹے کو اسلام لانے کے لیے مجبور کروں،ایک صاحب کی بچی غیر مسلم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئی،ان کے والد سے جو نہایت دیندار بھی تھے، پوچھا گیا کہ یہ کیا ہوا؟ تو کہنے لگے میری بچی پڑھی لکھی ہے،اپنے فیصلے خود کرتی ہے، میرے لیئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ خوش رہے یعنی دوسرے الفاظ میں وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے اس کے اسلام سے نکلنے کا کوئی افسوس نہیں،آخرت کی تباہی پر دنیا کی یہ خوشحالی ہی مجھے عزیز ہے،ایک خاتون کے سلسلہ میں کچھ دن قبل دارالقضاء نے فیصلہ دیا کہ تم مطلقہ ہو،عدت کے بعد تم نفقہ کا اپنے سابق شوہر سے مطالبہ نہیں کرسکتی،وہ نہیں مانی ،کورٹ گئی ، بالآخر عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا اور تاحیات اس کے نفقہ کا سابق شوہر کو پابند کیا،اس پر اس سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ، کہنے لگی:۔ ذاتی خانگی مسئلہ میں تم مذہب کو نہ لاؤ یعنی وہ دبے ہوئے الفاظ میں کہہ رہی تھی کہ صرف عبادات کی حد تک میں مسلمان ہوں اور معاملات ومالیات میں اللہ کے حکم کو تسلیم نہیں کرتی۔

(☆) فاضل مضمون نگار نے غالباً راشد شاذ کی منعقد کردہ کانفرنس بعنوان ''امت مسلمہ کا فکری بحران'' کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اس طرح کے ۴ مرکزی عناوین تھے اور جس کا مقصد یقیناً فکری ارتداد کی اشاعت اور اساسیات اسلام کے بارے میں تشکیکی مزاج کو جنم دینا تھا۔ (مدیر)

ان سب مذکورہ واقعات کی روشنی میں آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہمارے اردگرد اور آس پاس صرف آگرہ یا مظفر نگر میں گھر واپسی کا واقعہ نہیں ہوا ہے بلکہ ہمارے درمیان موجودہ خاندانوں میں روز گھر واپسی ہو رہی ہے اور ان کے اسلام کے دائرہ سے نکلنے کا نہ صرف ان کو بلکہ ان کے والدین کو بھی احساس نہیں ہو رہا ہے ،ارتداد وشرک تو برا تھا ہی لیکن یہاں عدم احساس ارتداد وشرک تھا جو اس سے زیادہ بُرا تھا۔

**لیکن امت کو اس مسئلہ کی نزاکت کا احساس نہیں**:۔ عالمی سطح پر آپ نظر دوڑائیے تو مسلمانوں کے مسائل بے شمار، پریشانیاں لامحدود، آزمائشوں کا سلسلہ دراز سے درازتر ،مراقش سے لے کر چین تک اور امریکہ سے لے کر آسٹریلیا تک سب اس کے لیے فکرمند ہیں، مسلمانوں کو دہشت گردی کی بدنامی سے بچانے کے لیے مکہ مکرمہ میں کانفرنس ہو رہی ہے، تعلیمی مسائل کے حل کے لیے ترکی میں سمینار ہو رہا ہے، ان کے معاشی استحکام کے لیے ملیشیا میں سربراہان مملکت سر جوڑ کر بیٹھ رہے ہیں، خود ہمارے ملک میں مسلمانوں کے لیے ملازمتوں میں ریزرویشن کے لیے روز احتجاجات کی خبریں سننے میں آرہی ہیں، بابری مسجد کی بحالی کے لیے اب بھی آوازیں اٹھ رہی ہیں، اوقاف کی املاک کی واپسی کے لیے وفود در وفود کا اعلی احکام سے ملنے کا سلسلہ جاری ہے، ملت میں تعلیمی بیداری کے لیے کارواں نکل رہے ہیں، امت کے ہر اس مسئلہ کے لیے سر جوڑ کر بیٹھا جا رہا ہے جس کا حاصل زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی ترقی ونیک نامی اور ضروریات زندگی سے ہے، لیکن غیر شعوری طور پر نئی نسل میں سرایت کرتے ارتداد کی روک تھام، اس کے اسباب ومحرکات کو جاننے، اس کو حل کرنے اور اس کی روک تھام کے لیے اس موضوع پر عالمی یا ملکی سطح پر کسی کانفرنس، سمینار یا مشاورتی اجلاس کی کیا آپ نے کوئی خبر سنی ہے؟ کیا اس سلسلہ میں وسیع پیمانہ پر سنجیدہ یا خاموش منظم تحریک کا آپ کو پتہ چلا ہے؟ ہم سب کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

مسلمانوں کی پہچان اور ایمان والوں کی امتیازی شان ہی توحید خالص اور شرک وکفر کے شائبہ سے پاک عقیدہ ہے ،آج بڑی تیزی سے اس کی مستحکم عمارتوں میں شگاف پڑ رہے ہیں، ہر دن اس کی پختہ دیواروں میں دراڑیں نظر آرہی ہیں، اس کی بنیادوں میں کمزوریاں واقع ہو رہی ہیں ،اسی طرح اسلامی معاشروں میں اسلام کے مظاہر تو نظر آرہے ہیں ،حقائق ناپید ہو رہے ہیں ،ظاہر تو دن بدن پرکشش ہو رہا ہے لیکن اندر سے روح ختم ہوتے جا رہی ہے، مذہب سے ظاہری وابستگی میں تو ترقی ہو رہی ہے لیکن دین پر خود اعتمادی کو گرہن لگ رہا ہے، یہ مسئلہ اتنا ہلکا بھی نہیں ہے کہ اس کو سرسری طور پر لیا جائے ،مسئلہ زندگی اور موت کا ہے، اس امتیازی شان اور توحید خالص کی نعمت کے بغیر ہماری کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے، ایمان کی قربانی دے کر ہمیں زندہ رہنے کے بجائے مرجانا گوارہ ہے، اس کے بغیر ملنے والی تعلیمی ترقی سے ہمارے نزدیک جہالت بہتر ہے ،اس خالص وصاف عقیدہ کے بغیر حاصل ہونے والی کسی بھی عزت وشہرت اور نیک نامی کو ہم لاحاصل سمجھتے ہیں۔

**اس کے اسباب ومحرکات**:۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ملت کے نوجوانوں میں پیدا ہونے والی اس ناگفتہ بہ صورت حال کی وجہ زمانہ کی ترقی ،نت نئے

لہوولعب کے آلات کا وجود اور دولت کی ریل پیل و بہتات ہے، لیکن انسانی نفسیات پر نظر رکھنے اور قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نازک اور سنگین صورت حال کے لیے مذکورہ بالا اسباب ووجوہات ذمہ دار نہیں ہیں عیش وعشرت کے سامان اور اس کے محرکات سے بے دینی تو آسکتی ہے، لادینیت نہیں ، بے حیائی تو عام ہوسکتی ہے، الحاد نہیں ،اخلاقی انارکی تو ہوسکتی ہے، ارتداد نہیں، الحاد وارتداد، لادینیت اور دین وشریعت پر عدم اعتماد کا پس منظر ہمیشہ دوسرا ہی رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ دین کی بنیادوں اور دینی تعلیم سے نئی نسل کی ناواقفیت اور بچپن سے اللہ تعالی کی ذات عالی کی کامل صفات واختیارات اور لامحدود تصرفات کے عقیدہ کو اپنے نونہالوں کے دلوں میں پیوست کرنے میں والدین کی کوتاہی اور عدم توجہ ہے، اگر بچپن سے بچے توحید خالص کے حامل ہوں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہو، مذہب اسلام پر ان کو خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال کر دیا گیا ہو ،دین وشریعت کے سلسلہ میں ان کو اس بات کا پختہ یقین دلایا گیا ہو کہ اس سے بڑھ کر کائنات کی کوئی نعمت نہیں اور اس دولت ایمان کا دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت سے بھی موازنہ نہیں کیا جاسکتا اور ہمارا یہ دین زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلہ پر ہماری ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے تو پھر کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ بچہ آگے چل کر دنیا کی رنگ رلیوں میں ملوث ہونے اور بے حیائی واخلاقی انارکی کے آخری مرحلہ کو چھونے کے باوجود شرک وکفر اور ارتداد والحاد میں بہہ جانا تو دور کی بات اس کے تصور ہی سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اس کے امکان اور قرینوں ہی سے وہ ناقابل یقین غیض وغضب کا شکار ہوکر ایمان واسلام کی بقا اور اس پر استقامت کے لیے اپنی جان دینے کے لیے بھی آمادہ ہوجائے۔

**موجودہ نظام تعلیم ونصاب بھی اس کا اہم سبب ہے** :۔امت کے معصوم نونہالوں کو اسلام سے برگشتہ اور دور کرنے میں ایک اہم بنیادی سبب ہمارا موجودہ تعلیمی نظام ونصاب بھی ہے، اسلام دشمن طاقتیں صدیوں کی اپنی ناکام کوششوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ اب مسلمانوں کو اس دنیا سے ختم کرنا تو ممکن نہیں رہا البتہ صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ ان کو برائے نام مسلمان رہنے دیا جائے اور ان کے اندرون سے اسلام کی محبت وعظمت اور دین پر خود اعتمادی کی دولت کو اس طرح کھوکھلا کیا جائے کہ خود ان کو اسلام سے دور ہونے ہی کا نہیں بلکہ اسلام سے نکلنے کا بھی احساس نہ ہونے پائے، اس کے لیے مغرب نے عالمی سطح پر ایسے نظام تعلیم کو منظم منصوبہ کے تحت رواج دینے میں کامیابی حاصل کی ہے جس سے کم وقت میں ان کے ان ناکام عزائم کی تکمیل ہوئی ہے، عالمی سطح پر موجودہ مسلم حکمرانوں اور عرب سربراہوں کی طرف سے آج روز اسلام پسندوں کو کچلنے اور شدت پسند دین داروں سے مقابلہ کرنے کے لیے خود مغربی ویوروپی حکمرانوں سے زیادہ سخت جو اعلانات سامنے آرہے ہیں یہ اسی مغربی نظام تعلیم سے خوشہ چینی کا نتیجہ ہے، حیرت ہوتی ہے کہ صہیونی طاقتوں نے بڑی چالاکی سے مسلم نوجوانوں کو اب اس نظام تعلیم سے آراستہ کرنے اور یوروپ وامریکہ میں لے جاکر ان کے رنگ میں رنگنے کے بجائے خاموشی وعیاری سے ہر ملک میں موجود نظام ونصاب تعلیم

ہی سے اپنے اس ناپاک منصوبہ کو اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ خود اپنے ملک میں رہتے ہوئے اور اپنے ملکی نظام تعلیم سے وابستگی کے ساتھ ہی ان میں اپنے مذہب و دین سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی یوروپ و امریکہ کی تعلیم گاہوں میں جا کر ہوتی تھی، یہ اہم موضوع ایک مستقل مضمون کا طالب ہے، ہم اس کا جائزہ اپنے کسی علیحدہ مقالہ میں ان شاء اللہ لیں گے۔

**سردست اس کا فوری علاج کیا ہوسکتا ہے** :۔ الحاد و ارتداد کے اس سنگین فتنہ و آزمائش سے اپنے نونہالوں کو بچانے کا فوری اور ممکنہ سردست حل صرف یہی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی اسکولی تعلیم کی تکمیل یعنی دسویں یا بارہویں تک پہنچتے پہنچتے ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور احکام و فرائض اور خصوصیت سے عقیدہ توحید اور سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ کی جزئیات و تفصیلات سے اس طرح واقف اور آگاہ کرائیں کہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں اسلام سے متعلق ان کے قدم ڈگمگا نہ سکیں اور دین و شریعت کے سلسلہ میں ان کے اذہان ہر طرح کے شکوک و شبہات سے محفوظ رہ کر اپنے آفاقی مذہب پر ان کو سو فیصدی خود اعتمادی حاصل ہو، اس کے لیے ان کو روایتی طور پر صرف قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم سے آراستہ کرنے یا محلّہ کی کسی مسجد میں آدھ پون گھنٹہ کے لیے شبینہ مکتب میں بھیج کر قرآن کی تصحیح کرانے پر اکتفا کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ توحید خالص کی تمام مبادیات سے ان کو واقف کرانا، قرآن مجید کی تصحیح کے ساتھ عقیدہ کی جزئیات، روز مرہ کے بنیادی فقہی مسائل و سیرت نبوی کی کلیات اور اسلام پر خود اعتمادی پیدا کرنے والی تعلیمات سے ان کو آراستہ اور واقف کرانا ناگزیر ہے، اس کے لیے ہمارے صباحی و شبینہ مکاتب کا موجودہ مروجہ نظام ناکافی ہے، اس میں توسیع اور اس میں مذکورہ بالا ان ضروریات دین کے اضافہ کی سخت ضرورت ہے، اسی کے ساتھ ان کے اسکولوں ہی میں ان کے لیے اس ضرورت کی تکمیل کا بھی نظم کیا جانا چاہیے، ملت کی اہم ترین ضرورت کی تکمیل کا صحیح نظم موجودہ حالات میں بآسانی ہمارے کل وقتی مدارس عربیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام ہی ہوسکتا ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل قابل عمل و آسان تجاویز کو مدارس کے ذمہ داران اپنے بجٹ میں کسی بڑے اضافہ کے بغیر بھی انجام دے سکتے ہیں۔

☆ جس علاقہ میں مدرسہ واقع ہے اس پورے تعلقہ میں یا کم از کم پانچ چھ کلومیٹر کے دائرہ میں موجود ان تمام اسکولوں میں جو مسلم انتظامیہ کے تحت چلتے ہیں ان کے ذمہ داران کی طرف سے دینی تعلیم کا استاذ نہ رکھنے یا اس کی تنخواہ کا انتظام نہ کرنے پر روزانہ ایک پریڈ اخلاقیات کی تعلیم کے نام سے جس کی ہندوستان کے دستور کی رو سے تمام تعلیمی نجی اداروں ہی کو نہیں سرکاری اسکولوں کو بھی اجازت ہے اپنی طرف سے تنخواہ دے کر مدارس والے اپنا ایک استاذ مقرر کریں، اگر مدرسہ کے آس پاس ایسے دس بارہ اسکول بھی ہوں تو وہ دو استاذوں کے ذریعہ باری باری ایک ایک پریڈ میں دن بھر پانچ چھ اسکولوں میں پہنچ کر روزانہ دینیات، قرآنیات اور اسلامیات کی تعلیم کا نظم ہوسکتا ہے، اگر آپ ایک استاذ کو اس کی گاڑی کے پیٹرول کے ساتھ دس ہزار بھی ماہانہ تنخواہ دیں تو ہر ماہ دو استاذوں کے ذریعہ دس اسکولوں کے آٹھ سو بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کا نظم ہوسکتا ہے دوسرے الفاظ میں جس مدرسہ میں تین سو طلباء کے لیے پچیس لاکھ روپئے سالانہ خرچ ہوتے ہیں اس میں

مزید صرف دو ڈھائی لاکھ کے اضافہ سے وہ اپنے مدرسہ کی خدمت کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے کم وقت اور کم خرچ میں آٹھ سو بچوں کی دینی تعلیم کا نظم کر سکتے ہیں۔

☆ اگر مدرسہ کی طرف سے اس مالی انتظام میں دشواری ہو یا اہل مدارس کو اس نئے دینی تعلیمی نظام کو اپنی طرف سے شروع کرنے میں میں تامل ہو تو کسی بھی گاؤں میں ایک سوسائٹی یا ٹرسٹ کچھ حمیت پسند مسلمانوں کی طرف سے قائم کر کے اس کے تحت نوجوان علماء کی خدمات اس منصوبہ کے لیے حاصل کی جاسکتی ہیں اور اس کے تحت صرف پانچ چھ علماء کا تقرر کر کے کم از کم پچیس تیس اسکولوں میں دو ڈھائی ہزار طلباء کی پختہ دینی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے، مان لیجئے ان علماء میں سے ہر ایک کو ماہانہ دس ہزار بھی تنخواہ دینی پڑے تو شہر میں 40/50 صاحب حیثیت افراد کی نشاندہی کر کے ان سے ماہانہ صرف ایک ہزار روپے دینی تعلیم کے اس منصوبہ کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے وصول کئے جاسکتے ہیں، اس کا کامیاب تجربہ ملک کے مختلف علاقوں میں کیا جارہا ہے، بالخصوص اورنگ آباد میں مجلس اشاعت اسلام کے نام سے ادارہ قائم کر کے کئی حمیت پسند نوجوان علماء کے اشتراک سے اس کا کامیاب بیڑا اٹھایا گیا ہے اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

☆ سنگاپور کے گذشتہ دعوتی سفر کے دوران ہم نے ایک قابل تقلید نمونہ دیکھا کہ پورا ملک صرف 28 کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے اور آمدنی کے قدرتی وسائل نہ ہونے کے باوجود ایک طرف سنگاپور کسی امریکی یا یوروپی ملک سے ترقی میں کم نہیں تو دوسری طرف وہاں کے مسلمانوں میں اسلام پر نئی نسل کی ایمان کی بڑی فکر بھی موجود ہے، وہ اس کے لیے نت نئے طریقوں کو اپنا رہے ہیں، مثلاً اتوار کے دن صبح سے ظہر تک شہر کے مختلف علاقوں میں اسلامیات کے کلاسس جگہ جگہ قائم ہیں جہاں باضابطہ کل وقتی اسکولوں اور مدرسوں ہی کی طرح دینی تعلیمی نظام ہے، چار گھنٹہ کے وقفہ میں یونیفارم کے ساتھ بچے آتے ہیں اور مختلف پریڈوں میں متعدد مضامین قرآن وحدیث اور فقہ، سیرت نبوی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، باقاعدہ اس کے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانات ہوتے ہیں، اس طرح سرکاری نصاب تعلیم کی خرابیوں کا بڑی حد تک اس دینی تعلیمی نظام سے ازالہ ہو جاتا ہے، بھٹکل میں قائم مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے تحت ترتیب شدہ عصری اسکولوں کے لیے اسلامیات کے نام سے جو نصاب گذشتہ پندرہ سالوں سے چل رہا ہے اسی اسلامیات کے نصاب کو وہ اپنے سنٹروں میں سنگاپور میں پڑھا رہے ہیں، سنگاپور کے اس آسان اور قابل عمل ہفتہ واری دینی تعلیم کے نظام کو ہمارے ملک میں بھی بسہولت شروع کیا جاسکتا ہے۔

☆ ہمارے مدارس میں اسکولوں کی گرمائی چھٹیوں اور سالانہ تعطیلات میں پندرہ روزہ یا مہینہ بھر کے اقامتی کلاسس ان اسکولوں وکالجس کے بچوں کے لیے شروع کئے جائیں، اس طرح سال میں دو دفعہ ان کو مدارس کے دینی وروحانی ماحول میں رہنے کا موقع بھی ملیگا اور تربیتی نقطۂ نظر سے بھی یہ نظام ان کے لیے مفید ہوگا، لیکن شرط ہے کہ مدارس کے عام اقامتی نظام سے ہٹ کر ان کے لیے خصوصی تربیتی وتعلیمی نظام ترتیب دیا جائے، ساتھ ہی رہنے سہنے اور کھانے پینے کا بھی نظم اس طرح پر کشش رکھا جائے کہ خوشحال گھرانہ کے طلباء بھی بے تکلف اس میں شریک ہوسکیں، مدارس کے آس پاس اور قریب کے طلباء اگر رات مدرسہ میں قیام کرنا نہ چاہتے ہوں تو گاڑی رکھ کر آنے جانے کے لیے نظم کر کے ان کو بھی اس میں شریک

کیا جائے اور اس کے لیے ان سے معقول فیس بھی لی جائے ، دوران تعلیم کسی دن ان کو تفریحی پر گراموں کے نام سے قریبی تاریخی مقامات پر بھی لے جایا جائے ، اس طرح ان کی نفسیات سے ہم آہنگ رہ کر کے ان کی تربیت بھی بآسانی کی جاسکتی ہے

☆ جدید وسائل اور ترقیات نے ہماری نئی نسل کا وقت گھر سے باہر ضائع کرنے کے بجائے گھروں میں ہی رہ کر انٹرنیٹ اور واٹس آپ وغیرہ سے وابستہ رہ کر ان کو اس سے زیادہ نقصان پہنچانا کرنا شروع کر دیا ہے، آج اپنے گھر یا مدرسہ میں ہی رہ کر اور کہیں جائے بغیر ہی انٹرنیٹ کے ذریعہ آپ دوسرے شہر میں موجود طلباء کو قرآن وحدیث وغیرہ کی تعلیم سے آراستہ کر سکتے ہیں، اس میں اساتذہ وطلباء گویا بالکل آمنے سامنے ہوتے ہیں، مختلف علاقوں میں موجود اچھے علماء ومدرسین سے آپ اپنے بچوں کو قرآن وحدیث اور فقہ وسیرت کی تعلیم کے لیے روزانہ ایک وقت مقرر کر کے اس نظام سے وابستہ کریں ، یہ نظام یوروپی ومغربی ممالک میں تو بڑے پیمانہ پر جاری ہے لیکن ہمارے ملک میں محدود پیمانہ ہی پر چل رہا ہے، اس کو مزید وسعت دینے کی ضرورت ہے

☆ اوپن اسلامک کورسس اور آن لائن دینی تعلیم کے کورسس بھی شروع کئے جائیں اور اس کے ماہانہ ٹسٹ اور سہ ماہی ، ششماہی اور سالانہ امتحانات کا نظم کیا جائے اور اس کے لیے طلباء کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے پرکشش ترغیبی انعامات وغیرہ کا بھی نظم کیا جائے ، الحمدللہ بھٹکل میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے تحت آج سے 15 سال پہلے اس کا محدود پیمانہ پر تجربہ کیا گیا تھا اور شہر کے صرف تین سو طلباء سے اس کی ابتدا کی گئی تھی ، الحمدللہ امسال ۱۳/ جنوری ۲۰۱۵ء کو ملکی سطح پر منعقد ہونے والے ان امتحانات میں پورے ملک سے ایک لاکھ سے زائد طلباء نے شرکت کی اور الحمدللہ ملک سے باہر بھی کئی ملکوں تک یہ نظام وسیع ہوگیا ہے ، اس میں الحمدللہ ہر سال 10/12 ہزار طلباء کا اضافہ ہو رہا ہے، اس میں امتیازی نمبرات سے کامیاب طلباء کو گولڈ میڈل، سلور میڈل سرٹیفکیٹ وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ ان ناگزیر حالات میں پوری ملت کو اس وقت فوری طور پر جنگی پیمانہ پر اس اہم ترین فکری ارتداد کے مسئلہ کی روک تھام پر توجہ دینا ناگزیر ہے اور عالمی سطح پر بالعموم اور ملکی سطح پر بالخصوص امت کے علماء ودانشوران اور اصحاب فکر کا سر جوڑ کر بیٹھنا فرض کفایہ ہی نہیں فرض عین ہوگیا ہے، اگر ہم نے مسئلہ کی نزاکت وسنگینی، اس کی شدت اور مستقبل قریب میں اس کے امت پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کا اندازہ نہیں لگایا اور اپنی عدم بصیرت وفراست کا ثبوت دیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی اور قدرت الٰہی کی طرف سے خطرہ ہے کہ اپنے اس دعوتی فرض منصبی کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے توحید خالص کی اس عظیم نعمت کی حامل ہماری قوم کے بجائے کسی اور موجودہ قوم کو اس نعمت سے سرفراز کر کے عالمی سطح پر انسانیت کی قیادت اسلام کے حوالہ سے ان کی طرف منتقل ہوجائے اور ہم منھ دیکھتے رہ جائیں۔

مسئلہ اتنا اہم ہے کہ عالم اسلام کے نہ صرف تمام تعلیمی، علمی و ادبی اور سماجی بلکہ دینی ادارے بھی اپنے تمام کام اور سرگرمیوں کو کچھ دنوں کے لیے موقوف کر کے صرف اسی ایک اہم ترین مسئلہ پر توجہ دیں تب بھی یہ کوئی غلط فیصلہ نہیں مانا جائے گا، ورنہ بقول شخصے ؎ لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی کے مصداق ہوں گے۔

☆☆☆

ذکر رفتگاں

# پروفیسر رفیع احمد علویؒ

پروفیسر سید احتشام احمد ندوی
سابق پروفیسر وصدر شعبہ عربی کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا

**مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں**

پروفیسر رفیع احمد علوی صاحبؒ کی زندگی میں بڑی خوبیاں تھیں۔انہوں نے ایک علمی زندگی گذاری، وہ پروفیسر تھے تاریخ کے اورانہوں نے ایم اے پی ایچ ڈی تو تاریخ میں کیا تھا مگران کو شوق عربی زبان کا بھی تھا چنانچہ انہوں نے شعبہ عربی میں داخلہ لے کر دو برس میں ایم اے عربی بھی پاس کرلیا، آخر میں تو وہ ہر وقت اسلام کے نشہ سے سرشار رہتے تھے، ہر وقت قرآن مجید کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں میرے پاس بھی تشریف لاتے، جو کتابیں میں نے قرآنی علوم سے متعلق پرجمع کی تھیں وہ سب پڑھ ڈالیں، اور آخر میں کئی بار میرے گھر آئے کتابیں لے گئے فرمایا کہ میں کینسر میں مبتلا ہوں مگر خوب پڑھ رہا ہوں، اور مجھے تکلیف کوئی نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ بالکل تندرست ہیں فرمایا کہ میں تندرست ہوں۔فرمایا کہ بس میں سارا وقت کتابیں پڑھنے میں صرف کررہا ہوں۔ میں نے چار کتابیں ان کو قرآن پر دیں، وہ لے گئے، میں شعبہ عربی سے عصر کے وقت لوٹ رہا تھا کہ ان کو نظامی ولا کے گیٹ پر پایا فرمایا کہ میں تو آپ کی کتابیں واپس کرنے آرہا تھا اور آپ چلے گئے، فرمایا میں کل صبح چھٹی کیموتھراپی کرانے جارہا ہوں دلی۔ پھران سے میری ملاقات نہ ہوئی۔ دلی میں کیموتھروپی چھٹی اور آخری تھی اور اسی میں ان کا انتقال ہوگیا، یہ عجیب بات ہے کہ ۶ کیموتھراپی میں سے کسی ایک کیموتھراپی میں مریض مرجاتا ہے تو پھر اس علاج کا کیا نفع ہے جس میں لاکھوں روپے خرچ کرکے مریض مرجائیں، میں نے سنا ہے کہ چھٹی کیموتھراپی محض مضبوطی کے لئے ہے جس کو Boosting کہتے ہیں۔اس کو نہ کرائے۔انتقال اکثر آخری اور چھٹی تھراپی میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر علوی صاحب بالکل تندرست تھے خوب لکھ پڑھ رہے تھے، اچانک چل دیئے۔ان کے خلوص اور ان کی شرافت کے نقوش دل میں ابھرتے ہیں نماز کے بڑے پابند تھے اور نماز مسجد جاکر ادا کرتے تھے مکی مسجد میں اکثر ملاقات ہوجاتی تھی اس لئے کہ میں پروفیسر انصار اللہ صاحب سے ملنے جاتا ہوں تو نماز مکی مسجد میں پڑھ لیتا ہوں اور وہیں سلام دعا پروفیسر علوی صاحب سے ہوجاتی تھی۔

میں مکتبہ جامعہ گیا۔ وہاں میں نے مکتبہ جامعہ کے مینیجر صابر حسن صاحب سے کہا کہ آپ کے یہاں میں نے تفسیر ابن کثیر کا عربی نسخہ دیکھا تھا وہ کتاب میں خریدنا چاہتا ہوں اس لئے کہ میں تفسیر لکھ رہا ہوں اور ابن کثیر کی ضرورت مجھے نہایت سخت ہے مینیجر صاحب بولے وہ کتاب کل پروفیسر علوی صاحب خرید لے گئے۔ میں پروفیسر علوی صاحب کے گھر پہونچا میں اس سلسلہ میں عرض

کرنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر علوی صاحب نے ایک نہایت عمدہ کتب خانہ قائم کیا تھا اور ان کی کتابیں ایک ہال نما کمرہ میں سلیقہ سے لگی ہوئی ہیں، کتب خانہ اسلام پر اور اسلامی تاریخ پر ہے منتخب عمدہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ وہ کتابیں برابر خریدتے رہتے تھے اور دینی کتابوں کو پڑھنے کے بڑے شوقین تھے۔ جو کتابیں میری نہیں چھپی ہی ان کو بھی وہ پڑھ ڈالتے تھے۔ اس لئے دینی معلومات ان کی بڑی وسیع تھی۔ یہ کتابیں غالبا کسی ادارہ کو یا مدرسہ کو ہدیہ کر گئے ہیں اس کا مجھ کو علم نہیں مگر ان کا کتب خانہ دقیع اور وسیع ہے۔

''بعد مرنے کے میرے گھر سے یہی ساماں نکلا''

جب میں پروفیسر رفیع احمد علوی صاحب کے گھر پہونچا تو باہر نکلے اپنے دلکش ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ پھر کھلایا پلایا اور فرمایا کہ چلئے میرا کتب خانہ دیکھ لیجئے میں نے وہ ہال دیکھا جس میں کتابیں لگی ہوئی تھیں میں نے آخر میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور ان سے بتایا کہ میں تفسیر لکھ رہا ہوں اس سلسلہ میں مجھے عربی ایڈیشن ابن کثیر کا درکار ہے اور یہ مکتبہ جامعہ کے منیجر نے خبر دی ہے کہ آپ نے ابن کثیر مکتبہ جامعہ سے خرید لی ہے، چار جلدوں میں ہے، فرمایا کہ یہ خبر صحیح ہے۔ اب میں یہ کتاب کو ہدیہ کرتا ہوں اسی وقت چاروں جلدیں لاکر کار میں رکھیں، فرمایا کہ کار میں بیٹھ جائیں۔ وہ کار میں میرے مکان تشریف لائے۔ چاروں جلدیں ابن کثیر اٹھا کر میرے ڈرائنگ میں میز پر رکھیں اور فرمایا کہ یہ کتاب آپ کو ہدیہ ہے۔

''یہ عنایتیں یہ نوازشیں، میری اک مشت غبار پر''

ادھر برسہا برس سے وہ اسلام پر ایسے پمفلٹ شائع کرتے تھے جو دین پر عمل کرنے پر لوگوں کو راغب کریں اور ان کی آخرت کو ٹھیک کریں۔ یہ کتابیں وہ سیکڑوں کی تعداد میں شائع کرا کر خود دس بارہ مسجدوں میں جا کر اپنے ہاتھ سے نمازیوں کو تقسیم کرتے تھے ان میں دعائیں اور وظائف اور آخرت میں کام آنے والے اعمال کا ذکر ہوتا تھا۔ ٹی وی کے نقصانات کا بیان ہوتا تھا الغرض اسلامی لٹریچر عمدہ اور موثر مضامین منتخب کر کے مسلمانوں میں ترغیب عمل کے لئے مفت تقسیم کرتے تھے اور برسوں سے وہ یہ کام فی سبیل اللہ اپنے پیسے سے کرتے تھے اور اس پر کافی رقم خرچ کرتے تھے۔

آخری ملاقات جو میرے گھر میں ہوئی میں نے عرض کیا کہ اتنے عمدہ اسلامی موضوعات پر آپ نے چھوٹی چھوٹی کتابیں لوگوں میں تقسیم فرمائی ہیں ان سب کو جمع کر کے ایک موٹی کتاب بنا دیجئے جو اسلامی موضوعات پر عمدہ کتاب بن جائے گی اور اس کا نفع عام ہو جائے گا اور وہ کتاب مرجع بن جائے گی۔ فرمایا کہ ہاں میں ضرور ایسا کروں گا ان کو کیا خبر تھی کہ ان کی موت میں صرف چند دن باقی ہیں میں نے کہا کہ آپ تو ہٹے کٹے اور خوب تندرست ہیں فرمایا کہ ہاں! مجھے کوئی شکایت نہیں۔ یہ عام بات ہے، کہ جب کینسر کا مریض مرض سے نجات پا جاتا ہے تو آخر میں کیمو تھراپی اس کو مار ڈالتی ہے، عجیب علاج ہے اور عجیب ڈاکٹر ہیں۔

خود ہی ذبح کرے ہے، خود ہی لیوے ثواب الٹا۔

حضرت ڈاکٹر رفیع احمد علوی صاحب کو بڑا دلی تعلق مدرسۃ العلوم الاسلامیۃ اور اس کے رسالے ندائے اعتدال سے تھا اور اس ادارہ سے وہ بہت قریب تر تھے، اس کی ترقی میں برھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ وہ اس کی مجالس میں شریک ہوتے اور ہر طرح سے اس مدرسہ کی مدد فرماتے تھے۔ افسوس کہ اچانک یہ ساری محفلیں سونی ہو گئیں اور حضرت ڈاکٹر رفیع احمد علوی صاحب اٹھ گئے۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

☆☆☆

# تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: محمد طارق رامپوری ندوی

**نام کتاب:** بچوں کی تربیت کیسے کریں

**مرتب:** مولانا محمد قمر الزماں ندوی

**صفحات:** ۲۶۴

**ناشر:** مولانا علاء الدین ایجوکشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ

**ملنے کے پتے:** حمید بکڈپو، رانچی۔ پرویز بکڈپو، سبزی باغ، پٹنہ۔ ثاقب بکڈپو، دیوبند۔ دارالکتاب، دودھ پور، علی گڑھ۔ مدرسہ صفۃ الصحابہ، پہاڑی شریف، حیدرآباد۔ اور لکھنؤ کے تمام مشہور مکتبے۔

انسان خیر وشر کا مجموعہ ہے، اس کی فطرت سے خیر کے چشمے بھی پھوٹتے ہیں اور شر کا لاوا بھی، اس کے اندرون مین ربانی خزانوں کی کان بھی ہے، تو ساتھ میں شیطانی جذبات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی، ونفس و ماسوا ها فالهمها فجورها وتقواها۔

انسان اپنے سفر زندگی کے لئے ان دونوں راستوں میں کس کو اختیار کرتا ہے، اس سلسلہ میں اس کا گردوپیش، اس کا معاشرتی ماحول اور اس کی تعلیم وتربیت بہت ہی موثر کن ثابت ہوتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے، کل مولود بولد على الفطرة فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه ، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے، اور ان کے لیے صحیح اسلامی ماحول فراہم کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔

اب جبکہ فتنے ہر در کو توڑ کر ہر گھر میں داخل ہو رہے ہیں بلکہ ہو چکے ہیں، ملحدانہ فضا کی چادر نے ہر سمت کو ڈھانپ لیا ہے، اسلام مخالف فرنگی زہر ہواؤں میں سرایت کر چکا ہے، ایسے وقت میں اسلامی تربیت ایک دشوار کن عمل ہے، انسان جب تک زمانہ جدید کے فتنوں سے آگاہ نہیں ہوگا، اور موجودہ ذہنیت اور نفسیات سے واقف نہیں ہوگا اس وقت تک صحیح اسلامی تربیت کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے، اس پہلو پر از سر نو غور وفکر کرنے کی وجہ سے اصول تربیت نے باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی ہے، عربی زبان میں اس موضوع پر بہت ہی اہم اور امفید کتابیں موجود ہیں، لیکن اردو کا دامن ابھی بھی خالی ہے۔

پیش نظر کتاب ''بچوں کی تربیت کیسے کریں؟'' اسی خلا کو پر کرنے کا ایک لائق تحسین وستائش اقدام ہے۔

مولانا محمد قمر الزماں صاحب ندوی نے باضابطہ ایک الگ کتاب لکھنے کے بجائے مختلف اصحاب قلم کے مضامین کا انتخاب کیا ہے، کتاب کو چار مرکزی عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا عنوان '' کلیدی مضامین'' کے نام سے ہے، اس کے تحت دو مقالے ہیں، پہلا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ہے، حضرت مولانا نے ''اپنی نسلوں کی فکر کیجئے'' کے عنوان سے امت مسلمہ کو آنے والی نسلوں کے ایمان کی

حفاظت کے لیے جھنجھوڑا ہے، اور اسکولوں کے نصاب میں ہندو میتھالوجی کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان و یقین کی دولت کی حفاظت کے لئے بیدار کیا ہے۔

دوسرا مضمون ''نئی نسل کی تربیت اور عصر حاضر'' کے عنوان سے ہے، اصل مضمون عربی زبان میں شیخ علی طنطاوی کا ہے اس کے ترجمہ کا کام بڑی خوبی کے ساتھ مولانا وصاف عالم ندوی نے کیا ہے۔ تربیت کے حوالے سے والدین کے اوپر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کن اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے، شیخ علی طنطاوی نے تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے بہت ہی اہم ۱۲/اصول ذکر کیے ہیں، جو لائق تقلید و قابل عمل ہیں۔

دوسرا مرکزی عنوان ہے ''کلیدی مقالات'' کے نام سے فہرست مضامین میں شامل ہے۔

سید حامد مرحوم کا مضمون ''بچوں کی تربیت'' کے عنوان سے بہت قیمتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے بچوں کی تربیت نرم و گرم دونوں حالات میں ہونی چاہیے، نہ ہی حد سے زیادہ با ادب بنانے کی کوشش کی جائے، اور نہ ہی ہر شرارت کی کھلم کھلا اجازت دی جائے، اعتدال کی راہ ان دونوں کے رمیان رہے۔

تیسرے مرکزی عنوان کا نام ہے ''تربیت کی اہمیت و ضرورت'' اس عنوان میں بارہ اصحاب قلم کی تحریریں شامل ہیں، خاص طور سے مولانا محمد الیاس ندوی رامپوری کا مضمون بہت ہی شاندار ہے، زبان بھی بہت عمدہ ہے انہوں نے اس پہلو کی طرف توجہ مبذول کی ہے کہ تربیت سے پہلے بچوں کی طبیعتیں اور ان کے مزاج ضرور پڑھ لینے چاہیے، اور ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے تربیت میں کن کن امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے، اس کو انہوں نے واضح کیا ہے۔

چوتھا مرکزی عنوان ''تربیت کے مختلف مراحل اور عوامل'' کے نام سے موسوم ہے، اس عنوان کے تحت آٹھ اصحاب علم و فضل کے مقالات شامل ہیں۔

اس عنوان کے ضمن میں ڈاکٹر ام کلثوم کا مقالہ بڑا ہی پر مغز ہے، انہوں نے تحریر کیا ہے کہ دوران حمل ہی سے بچے کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، بلکہ شادی کے لئے اچھے اخلاق سے آراستہ اور دین دار جوڑے کی تلاش کا حکم دے کر شریعت نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ معاملہ قرار حمل سے ہی بہت پہلے شروع ہو چکا ہے۔

دوران حمل اور اس کے بعد کے مراحل میں جدید طب اور نفسیات کے حوالے سے بہت ہی عمدہ گفتگو کی ہے۔

اس فہرست میں ایک دوسرا مقالہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا بھی بہت ہی معلوماتی ہے، مولانا رحمانی کی یہ تحریر اساتذہ کو طلبہ کی تربیت کے حوالے سے ضرور پڑھنی چاہیے، اور طلبہ کی فکری بھی علم و تربیت میں اس کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ پیش نظر کتاب اپنے انتخاب میں بے نظیر ہے مضامین کی رنگا رنگی نے افادیت کو دو چند کر دیا ہے، ہر وہ شخص جو تعلیم و تربیت اسلامی کرنا چاہتا ہو، اس کتاب کو ضرور اس کو اپنے مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

☆☆☆

# جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

(م-ق-ن)

بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں عمدۃ الملک نظام الدین لاہور کے شہباز خاں (اصلی نام شہر اللہ خاں پیدائش ۹۳۸ھ وفات ۹۸۸ھ) لاہور کے مشہور امیر اور اکبری دربار کے رکنِ اعظم اور بڑے بہادر، فاتح اور نامور سپہ سالار تھے۔

اکبری دربار میں جونت نئے خانہ برانداز شریعت (اسلامی احکام وشعائر کو توڑنے والے آرڈر) احکام جاری ہوئے، امراء کو ناچاران کی پابندی کرنی پڑی مثلاً داڑھی منڈانا، کان چھدانا، شراب پینا، مہر میں لفظ مرید کندہ کرانا اور بہت سی خرافات آئین اکبری اور دربار اکبری کا لازمہ تھیں، مگر لاہور کے اس بہادر خدا پرست شہباز خاں نے بادشاہ سے قرب کے باوجود ان میں سے ایک بات کی بھی پیروی نہ کی اور غیر شرعی مراسم کی تفصیل میں کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہ کی۔ شہباز خاں کے اتباع سنت اور ورع وتقوی نیز پرہیز گاری کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ اس کالم کے تحت ہم پیش کر رہے ہیں اس امید کہ ساتھ کہ یہ واقعہ ہماری زندگی میں مہمیز کے لئے کافی ہوجائے اور ہمارے اندر بھی شہباز خاں جیسا ذوقِ یقین پیدا ہوجائے اور جس سے ہر طرح کی غلامی (ذہنی غلامی اور جسمانی غلامی) مٹ جائے اور اس کا خاتمہ ہوجائے اور باطل کی ہر زنجیر ٹوٹ پھوٹ جائے۔۔۔ اس واقعہ کو گوشِ دل سے سنیے اور قلب وجگر کو جلا بخشئے۔

ایک دن اکبر نماز عصر کے قریب شہباز خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے فتح پور سیکری کے تالاب پر چہل قدمی اور ہوا خوری میں مصروف تھا۔ حکیم ابوالفتح اور حکیم علی گیلانی وغیرہ چند امرائے سلطانی (سلطنت) کچھ فاصلے پر کھڑے باہم کہہ رہے تھے کہ آج اگر اس شخص کی نماز قضا نہ ہوئی تو جانو پکا نمازی اور دین دار ہے، ورنہ ریاکار۔۔۔ تفریح جاری تھی اور نماز کا وقت اخیر ہونے لگا تھا۔ شہباز خاں نے بادشاہ کے خوف ولحاظ پر خدا کے خوف ولحاظ کو ترجیح دی اور نماز کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا: قضا پڑھ لینا وقت تنگ ہوگیا ہے۔۔۔ انہوں نے اس جملہ سے اندازہ کرلیا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھنے دے گا۔ چنانچہ یکا یک بادشاہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور رومال بچھا کر فورا نیت باندھ لی۔ مجبوراً امرائے سلطانی (بادشاہ کے دوست و احباب) نے شہباز خاں کی اس حیرت انگیز جرأت و جسارت پر ہزار آفریں کہا۔

نواب شہباز خاں کی شوکت وامارت جاہ ومنصب اور ان کے تقرب سلطانی کو دیکھئے اور پھر اس پر غور کیجئے کہ وہ فانی دنیا کے ان تمام مٹ جانے والے اسباب کو ٹھوکر مار کر اپنے ذوق یقین کی بنیاد پر خدائے وحدہ لاشریک کی جناب میں حاضر ہوتا ہے اور سرِ نیاز خم کردیتا ہے۔ شاعر نے ایسے ہی مردِ حق اور صاحب جرأت کے لئے کہا ہے۔

آئیں جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سچائی یہ ہے کہ نواب شہباز خاں کے مذکورہ واقعہ میں ہمارے لئے بڑا سخت تازیانہ ہے عوام کو تو جانے دیجئے خواص بھی آج معمولی معمولی عذر اور بہانے بنا کر نماز باجماعت ترک کر دیتے ہیں اور یہ صرف سیاسی آقاؤں کی خوشامد میں اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اگر ہمارے اندر ایمانی حس اور غیرت ہے تو نمازی بنانے اور بارگاہ خداوندی میں سرِ تسلیم خم (سر جھکانے) کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ☆☆☆